جلد 20 شمارہ 8 ماہ اگست 2018ء ذیقعد/ذی الحج 1439ھ

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا

اللہ

محبت

صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیّت

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاحِ آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب **محمد یعقوب توحیدی**
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے ❀❀❀ سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

حج

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اسلامی عبادات میں حج بھی ایک بے مثال اور مفید ترین عبادت ہے۔ حج صرف اس کا نام نہیں کہ مکہ معظّمہ پہنچے، طواف کیا اور دوسرے مناسک حج ادا کر کے جیسے کورے گئے تھے ویسے ہی واپس چلے آئے اور سمجھ لیا کہ ہمارے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور جنت کا پروانہ مل گیا، بلکہ حج سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

1۔ حج میں سفر کرنا پڑتا ہے اور سفر سے حوصلہ، عقل اور تجربہ بڑھتا ہے، جھجک دور ہوتی ہے، اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

2۔ سفر میں جو صعوبتیں اور تکالیف پیش آتی ہیں ان کو ایک فریضہ مذہبی کی ادائیگی کے خیال سے بخوشی برداشت کرنا پڑتا ہے جس سے تکلیفیں اٹھانے کی عادت پیدا ہوتی ہے اور قوت برداشت بڑھتی ہے۔

3۔ چونکہ اکثر اوقات آدمی اکیلا ہی جاتا ہے اور ہر کام کے لئے خود اپنے ہی اوپر بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اس سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے جو اعلیٰ کردار انسانی پیدا کرنے کے لئے بہت ہی ضروری صفت ہے۔

4۔ سستی اور کاہلی رفع ہوتی ہے اور قوت عمل پیدا ہوتی ہے۔

5۔ انسان جب حج کو جانے کا ارادہ کرتا ہے تو حضور رسالتمآب ﷺ کے روضہ پر حاضری کی تمنا بھی ضرور ہوتی ہے، اس لئے وہ تمام گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور پاک صاف دل لے کر جاتا ہے۔ ان میں اکثر ایسے ہوتے ہیں جو عمر بھر اس توبہ پر قائم رہتے ہیں اور نیک مرتے ہیں، یہ بہت بڑی بات ہے۔

6۔ چونکہ دوران سفر دل نیکی اور محبت کے جذبات سے معمور ہوتا ہے، ہر آدمی دوسرے

ہمراہیوں کی مدد کرتا ہے جس کی وجہ سے ہمدردی اور خدمت کا جذبہ ترقی پاتا ہے۔

7۔حج نیکی اور بدی کی کسوٹی ہے۔ جو لوگ محض دنیا کے دکھاوے کے لئے حج کرتے ہیں یا اپنی بدیوں کو حج کے مقدس پردے میں چھپانا چاہتے ہیں وہ واپس آ کر پہلے سے بھی زیادہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو لوگ سچ مچ نیک ہوتے ہیں واپس آنے کے بعد سب پر ان کی نیکیاں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

8۔حاجی مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں پرانے اماکن مقدسہ اور تاریخی مقامات کو دیکھتا اور قبور صحابہؓ وغیرہ کی زیارت کرتا ہے۔اس کی وجہ سے ابتدائی تاریخ اسلام کی واقفیت پیدا ہوتی ہے اور دل میں ترقی ملت کا جذبہ اور جوش پیدا ہوتا ہے اور اگر دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو تو وہ جوش وجذبہ مستقل ہو جاتا ہے۔

9۔حاجی حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کے روضہ اقدس پر بھی حاضر ہوتا ہے اور آپ کی سچی محبت اور فیض روحانی سے مالا مال ہو کر واپس آتا ہے۔اس نعمت کا مقابلہ اور کوئی چیز بھی نہیں کر سکتی۔

10۔ کعبۃ اللّٰہ تمام ملت اسلامیہ کا مرکز ہے۔شمال جنوب، مشرق مغرب ہر طرف کے مسلمان اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔اس لئے کعبہ کی جو عظمت و بزرگی مسلمانوں کے دل میں ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں، وہ امیر ہوں یا غریب، نیک اور پارسا ہوں یا گنہگار اور فاسق و فاجر، کعبہ کی حفاظت و دفاع کے لئے بے تامل اپنا جان و مال اور آل و اولاد قربان کر سکتے ہیں۔ اسی کعبہ کے طواف کو ہر سال ہزارہا مسلمان اطراف عالم سے اکھٹے ہوتے ہیں، اگر ہمارے مذہبی اور سیاسی رہنما تھوڑے سے خلوص اور محنت سے کام کریں تو یہاں ایک ایسا مرکز قائم ہو سکتا ہے جس سے تمام دنیا کے مسلمانوں میں ارتباط و تعلق پیدا کر کے ان کی عالمگیر تنظیم کی جا سکتی ہے۔ یہ کام کچھ بھی مشکل نہیں ایک دن ہو گا اور ہو کر رہے گا، دیکھنا صرف یہ ہے کہ یہ سعادت کس کی قسمت میں لکھی ہے۔

حج کے چند مشاہدات و احساسات

(سید ابو الحسن علی ندوی)

حج عالم اسلام کے جائزہ کے لیے بہترین موقع:

عالم اسلام کا اگر حقیقت پسندانہ عمومی اور عالمگیر جائزہ لینا ہو تو اس کا حج سے بہتر موقع نہیں ۔ اگر کسی کو ان تبدیلیوں کو معلوم کرنا ہو جو عالم اسلام کی علمی فکری اور اعتقادی سطح پر رونما ہوئیں اور ان کمزوریوں سے واقف ہونا ہو جن کے بہت سے اسلامی ممالک اور مسلم معاشرے شکار ہوئے تو حج کے موقع پر چلا جانا چاہیے، بشرطیکہ جانے والوں کی آنکھیں بھی کھلی ہوں، کان بھی کھلے ہوں اور دماغ کے دروازے بھی بند نہ ہوں وہ ایک جگہ سب کچھ پڑھ سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے عالم اسلام کن چیزوں میں ترقی کر رہا ہے اور کس چیز میں تنزل کا شکار ہے کس تناسب سے ترقی ہو رہی ہے اور کس تناسب سے کمزوری یا بیماری بڑھ رہی ہے۔

مختلف اغراض کے لیے حج کرنے والوں کی کثرت اور اس کے مفاسد:

دوسرا پہلو جو حج کے سلسلہ میں شدت کے ساتھ محتاج توجہ ہے اور اس سلسلہ میں ایک عالمگیر کوشش اور جدوجہد کرنے اور ایک مستقل مہم چلانے کی ضرورت ہے وہ نفلی حج ہی نہیں بلکہ مختلف اغراض و مقاصد کے لیے حج کرنے والوں کی کثرت ہے جس نے فرض حج کرنے والوں اور حکومت دونوں کے لیے سخت دشواریاں اور ناقابل عبور مشکلات پیدا کر دی ہیں اور حج کے تقدس اور حرمت ہی کو نہیں اس کی نیک نامی اور شہرت کو بھی نقصان پہنچایا ہے بلکہ اسلام کی شہرت و عزت کو داغ لگایا ہے اور اس کو خویش اور اغیار کی نظر میں بے وقعت اور مشکوک بنا دیا ہے۔

ان دنیاوی اغراض کے علاوہ جن کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں نفلی حج کا معاملہ بھی قابل نظر ثانی اور علماء اور اہل شعور کے لیے قابل غور اور قابل توجہ بن گیا ہے وسائل سفر کی

کثرت اور دولت کی بہتات، سعودی عرب میں معیشت اور حصول دولت کے ذرائع ومواقع کی فراوانی نے مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی زندہ جاوید اور شہرہ آفاق کتاب احیاء العلوم الدین، میں اس نفلی اور دنیاوی مقاصد سے بار بار حج کرنے کے رجحان پر (جو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی پیدا ہو گیا تھا) بڑی حقیقت پسندانہ اور فقیہانہ تنقید کی ہے اور اس سلسلہ میں فقیہ امت، صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک حکیمانہ قول نقل کیا ہے جس کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ کو دیکھ کر فرما رہے ہیں۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

''ان دولت مندوں میں بہت سے لوگوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہے وہ بار بار حج کرتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں اور حج کرنے چلے جاتے ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلاضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، سفر ان کو بہت آسان معلوم ہوگا روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی وہ حج سے محروم اور تہی دست واپس آئیں گے وہ خود ریتوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہوگا اس کے ساتھ حسن سلوک اور غم خواری نہ کریں گے''۔

حج کا محور

حج کا محور کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کر دیں اور خانہ قدیم (بیت اللہ) کا طواف کریں یہ ہمارا حکم ہے اور ہر شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے''۔

سارا حج اصل میں اس عشق اور بے خودی کا اظہار ہے جو انسان کے اندر فطری طور پر موجود ہے اور جو شرعاً عقلاً مطلوب ہے۔

حج کا ایک بڑا مقصد محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے:

میں نے کہا کہ حج کا ایک بڑا مقصد اپنے خالق اور محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے، جس طرح سے پروانہ شمع پر گرتا ہے۔ دوسرے یہ طاعت مطلقہ اور امتثال امر ہے۔ مناسک اور ارکان حج کو ادا کرو اور اس کے عاشق و محبوب ابراہیمؑ کے عمل کی نقل کرو اور یہ نہ پوچھو کہ کیوں؟

اس حج کے پورے ڈھانچے میں روح ابراہیمی سرایت کئے ہوئے ہے، یہ حج حضرت ابراہیمؑ کے عشق اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی یادگار اور تمثیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہ کی پریشانی اور والہانہ کیفیت کے ساتھ دوڑنے پر پیار آیا۔ اس نے اس کو قیامت تک کے لیے پسند فرمالیا اور ہمیشہ کے لیے اس کو محفوظ فرمالیا۔

اب دنیا کے بڑے بڑے دانشور آئیں اپنے وقت کے غزالی اور رازی اور ابن سینا اور فارابی بھی آئیں تو وہ بھی صفاو مروہ کے درمیان اس طرح چلیں گے جیسے حضرت ہاجرہ چلی تھیں اور جہاں حضرت ہاجرہ پریشان ہو کر دوڑنے لگیں تھیں وہاں وہ بھی دوڑیں۔ آج کوئی پوچھے کہ اب دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس مقام پر حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہ سے اوجھل ہو جاتے تھے تو جلدی دوڑ کر اس جگہ پہنچنا چاہتی تھیں جہاں سے حضرت اسماعیلؑ نظر آتے تھے کہ شیر خوار بچہ محفوظ ہے یا نہیں؟ کوئی جانور تو اسے نہیں لے گیا۔

اب ہمیں اور اس زمانہ کے بڑے بڑے شیخ الاسلام شیخ الاظہر، اور شیخ الحدیث کو دوڑنے کی کیا ضرورت ہے وہاں سے جواب ملے گا ہمیں ان کا دوڑنا پسند آ گیا ہے۔ اب اس پر عمل میں محبوبیت پیدا ہو گئی ہے۔ طواف میں شروع کے تین شوط میں پاؤں اٹھا اٹھا کر اور سینہ نکال کر چلتے ہیں جس کو رمل کہتے ہیں۔ اب اس طرح پہلے طواف کرنا ہوتا ہے یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ

جب آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام عمرۃ القضاء میں آئے تو قریش جبل قیقعان پر چلے گئے کہ ہم مسلمانوں کے اس طرح آزادانہ مکہ میں آنے اور طواف کا منظر دیکھ نہیں سکتے۔انہوں نے یہ کہا کہ مسلمان مدینہ جا کر کمزور ہو گئے ہیں اب ان سے چلا نہیں جاتا۔حکم ہوا کہ یہاں پر اٹھ اٹھ کر سینہ نکال کر چلو، بس یہ ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور یہ عمل سنت قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے جا رہے تھے، شیطان نے بہکایا اور اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کی تو حضرت ابراہیمؑ نے غصہ میں آکر شیطان کو کنکریاں ماریں اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بھی پسند آئی اور اس کو زندہ جاوید بنا دیا۔اب سب کو یہ کرنا ہے اگر کہیں کوئی رمی نہیں کر سکا تو اس کو قربانی کرنا پڑے گی۔

میں نے کہا کہ امتثال امر کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ عرفات میں مغرب کی نماز سب ترک کر دیتے ہیں اور مزدلفہ جا کر عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھتے ہیں۔مجھے تو یاد نہیں کہ مجھ جیسے گنہگار او رکم ہمت نے بھی برسوں میں کبھی مغرب کی نماز بغیر عذر کے بے وقت پڑھی ہو۔قرب الٰہی کا عرفہ جیسا میدان جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ شیطان کو اتنا مغموم اور ذلیل کبھی نہیں دیکھا گیا جتنا کہ عرفہ کے دن۔شیطان کہتا ہے کہ میری ساری محنت برباد ہوئی۔آج کتنے آدمیوں کی مغفرت ہو گئی۔ایسے مقام قرب و رحمت میں حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھو، نماز نہ پڑھیں؟

بندہ زبان حال سے سوال کرتا ہے نماز نہ پڑھیں؟ بازاروں میں نماز پڑھی، امریکہ، یورپ کے پارکوں، ہوٹلوں اور ٹرین و ہوائی جہاز میں نماز پڑھی اور آج میدان عرفات میں نماز نہ پڑھیں، قضا کر دیں؟ ہاں قضا کر دو، اس لیے کہ تم ہمارے بندے ہو، نماز کے بندے نہیں ہو، ہماری بات ماننی ہو گی عادت پر نہیں چلنا ہو گا۔خود منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ، اور مزدلفہ سے پھر منیٰ منتقل ہونا تعمیل حکم واضح مثال ہے کہ کہیں کتنا ہی جی لگ جائے اور کیسا ہی مزہ آ رہا ہو اپنی خواہش اور ذوق کے مطابق قیام کی اجازت نہیں ہے، جہاں ہم کہیں، جاؤ اور جتنا کہیں ٹھہرو۔

حج کا دوسرا بڑا مقصد، ملت ابراہیمی کو مزاج ابراہیمی سے مربوط کرنا:

میرے محدود علم اور مطالعہ میں حج کے مقاصد وفوائد حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ سے زیادہ جامع اور بہتر کسی نے نہیں لکھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حج کا ایک بڑا مقصد ملت ابراہیمی کو حضرت ابراہیمؑ کے مزاج سے مربوط کرنا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ قیامت تک یہ ملت حضرت ابراہیمؑ سے مربوط رہے جو اس دین کے بانی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''تمہارے باپ ابراہیم کا دین، اسی نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا''۔

اور ان سے مربوط ہونے کا مقام مکہ اور اس کے نواحی اطراف ہیں وہاں جا کر دیکھ آؤ کہ وہ کیا کرتے تھے۔ وہاں ان کا بنایا ہوا اللہ کا گھر (کعبہ) موجود ہے وہ مسعیٰ (سعی کی جگہ) ہے یہ صفا و مروہ ہے، یہ عرفات و مزدلفہ و منیٰ ہیں، جہاں انہوں نے اپنے عشق اور جذبہ قربانی اور ایثار و فدائیت کا اظہار کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ملت جہاں بھی رہے حضرت ابراہیمؑ سے مربوط اور وابستہ رہے اسی میں ملت کے ابراہیمی و محمدی مزاج و خمیر کی حفاظت اور ملتوں اور قوموں میں اس کا تشخص و امتیاز ہے۔

حج کا تیسرا بڑا مقصد، اُمت کو تحریف سے بچانا ہے:

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے دوسری بات یہ لکھی ہے کہ اور یہ کیسا قیمتی نکتہ اور عمیق فہم دین ہے کہ حج کا تیسرا بڑا مقصد امت کو تحریف سے بچانا ہے۔ محلّہ کی سطح پر تحریف سے بچانے کا ذریعہ مسجد میں نماز با جماعت ہے۔ اگر کسی کی نماز میں کوئی بدعت شامل ہوگئی ہے یا وہ کوئی غلطی کر رہا ہے تو اس کی تصحیح پر اگر تحریف ہو تو اس کی اصلاح اور ناواقفیت یا مغالطہ کے ازالہ کی جگہ جامع مسجد ہے اس سے بڑے پیمانہ پر ہو تو عیدگاہ اور اگر اس سے بڑے پیمانہ پر ہو تو عالم اسلامی کے کسی حصہ یا ملک میں تحریف رونما ہو تو اس کا علاج حج کے موقع پر حرمین شریفین کی حاضری ہے۔

وہاں آ کر دیکھیے کہ ہم کیا نماز پڑھتے تھے کیا غلط عمل کر رہے تھے کیسا غلط عقیدہ

رکھتے تھے کون سا غیر اسلامی شعار اختیار کیے ہوئے تھے۔شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک حج مرکز اسلام میں امت اسلامیہ کی سالانہ پیشی (عرضہ) حاضری ہے تا کہ اس کا عمومی جائزہ لیا جائے اور اس کے متعلق اطمینان حاصل کیا جائے کہ وہ مسلک ابراہیمی اور دین محمدیﷺ پر چل رہی ہے یا غیر اقوام کی پیروی کر رہی ہے؟

میں نے کہا اگر حج نہ ہوتا تو ایک امریکن اسلام ہوتا، اور یورپین اسلام، ایک ہندوستانی اسلام ہوتا، اور ایک پاکستانی اسلام، اگر کوئی ٹوکتا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو تو کہا جاتا کہ ہمارے ہاں تو پشتیں اسی پر عمل کرتے گزر گئیں ہیں لیکن حج کے اجتماع عام میں جا کر جہاں عوام وخواص علماء فقہا جمع ہوتے ہیں سب کی قلعی کھل جاتی ہے۔

جس طرح کھیت میں کسان کے ارادے اور مرضی کے بغیر گھاس پھوس اگ آتی ہے اور بعض مرتبہ ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو جاتے ہیں جو اصل زراعت کے لیے مضر ہوتے ہیں ان کو مصر میں الحشائش الشیطانیۃ کہتے ہیں۔

اسی طرح اسلام کی کھیتی میں عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو سکتے ہیں جو تحریف، بدعت اور ''اعمال محدثۃ'' کہلاتے ہیں، ان جاہلی رسم و رواج خود ساختہ عبادات اور اوہام وخرافات کی حج میں بیخ کنی ہو جاتی ہے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے یہ بے نظیر بات لکھی ہے کہ

''امت کو تحریف سے بچانے کے لیے حج بہترین انتظام ہے، اگر امت میں تحریف ہو جائے تو رہنے نہ پائے۔اس ملک کا، جہاں تحریف ہوئی ہے، کوئی نہ کوئی آدمی آئے گا اور دیکھ کر جائے گا اور واپس جا کر کہے گا تم کیا کر رہے ہو! ہم تو مکہ میں یہ دیکھ کر آئے ہیں۔

میں نے کہا ہر لفظ اپنے ساتھ کچھ خصوصیات لے کر آتا ہے اس کی ایک تاریخ، ایک پس منظر (خلفیات) ہوتے ہیں لفظ موتمر کا بھی ایک پس منظر ہے اس کے ساتھ بہت سے تاثرات اور تجربات وابستہ ہیں ان سے اس کو منقطع اور مجرد کرنا مشکل ہے۔

بے شک ملاقات، تعارف اور موقع ملے تو مسلمان کے مسائل پر مشورہ دینا اور تبادلہ خیال ممنوع و مکروہ نہیں، بلکہ مستحسن ہے مگر یہ حج کے بالکل ضمنی اور ثانوی فوائد میں ہے۔ اگر مشورہ اور تبادلہ خیال، بحث ومباحثہ اور غور فکر ہی حج کا اصل مقصد ہوتا تو صرف اہل حل وعقد، دانشوروں اور عالم اسلام کے ماہرین اقتصادیات و سیاسیات اور وہاں کے زعماء اور قائدین ہی کو حج کی دعوت دی جاتی۔

ترجمہ: ''جس کو زادِ راہ کی قدرت ہو وہ حج کو ضرور جائے''۔

پھر کہیں اطمینان سے چند روز رہنے کا نام بنایا جاتا ہے، حج کے اصل دن ۸ ذی الحجہ سے 12، 13 ذی الحجہ تک، نقل وحرکت اور مناسک حج کی مشغولیت کا نام ہے وقوف عرفات مزدلفہ میں شب گزاری منٰی میں رمی، قربانی اور طواف زیارت وغیرہ کی مشغولیت موتمر او رمجلس مذاکرہ کے ماحول ومزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اسلام کے ہر رکن اور ہر رکن کے مادّی، سیاسی اور تمدنی فوائد بیان کیے جائیں یہ بات بقدر ضرورت ٹھیک ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا اور علماء اسلام نے یہ خدمت تناسب اور توازن کے ساتھ ہر دور میں انجام دی ہے لیکن اس کو اصل مقاصد اور فوائد کا درجہ دینا صحیح نہیں اس سے خطرہ ہے کہ ذہن مادی بن جائے گا۔ رضائے الٰہی کے حصول کا شوق، اجر وثواب کی لالچ، آخرت میں اس کے فوائد کا یقین او رایمان و احتساب (جو ہر عمل کی روح اور اس میں وزن و قیمت پیدا کرنے کی شرط ہے) کا پہلو نہ صرف مغلوب بلکہ منفی اور معدوم ہو کر رہ جائے گا یہ فرد و جماعت کے لیے بڑا خسارہ اور دین کے لیے بڑے تغیر وتحریف کا سرچشمہ ہے۔

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ

انسان کے کردار پر بات ہو رہی تھی۔ بابا جانؒ فرمانے لگے کہ بابا جیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) کے دور میں کسی نے اپنا یہ واقعہ سنایا کہ عصر کی آذان ہونے والی تھی، مجھے ایک بیگ چاہیے تھا۔ میں نے کہا کہ لے آتا ہوں۔ اتنی دیر میں آذان ہوگئی۔ اس دکاندار نے کہا کہ چلو دکان سے باہر آؤ، میں بعد میں آ کے کرتا ہوں۔ Shut it down میں نے کہا کہ یہ پیسے تو لے لو۔ کہا کہ نہیں۔ خلاص! ۔ بعد از صلوٰۃ۔ نماز کے بعد۔ میں نے کہا کہ میں ریٹ طے نہیں کر رہا، یہ پیسے لے لو۔ کہتا ہے کہ ناں! ۔ آپ ادھر بیگ رکھ دیں۔ میں نے کہا کہ یار! میں نے بھی نماز پڑھنی ہے۔ اس نے کہا کہ پڑھنی ہے یا نہیں پڑھنی بہر حال سودا نماز کے بعد ہوگا۔۔ اللّٰہ اکبر ہوگیا ہے تو بس اللہ اکبر۔ وہی بڑا ہے۔ یہ بیگ پڑا ہے، میں نے دکان بند کرنی ہے۔

اس کی داڑھی نہیں تھی۔ جوان آدمی تھا۔ داڑھی مونڈی ہوئی تھی۔ اس نے نہیں دیا۔ کہتا ہے نماز کے بعد۔ وہ پیسے جو اس کے نصیب میں تھے اس کو دیے۔ اس کو بھی اتنا یقین تھا کہ اس کا رزق اس کو ضرور ملے گا۔ میں نے کہا کہ میں نے بھی پڑھنی ہے آپ کے ساتھ نماز مگر اس نے کہا کہ پڑھنی ہے تو پڑھ لیں اچھی بات ہے مگر بیگ بعد میں ملے گا۔ نماز پڑھ کے آئے تو پھر ملا۔

وہ Character کی بات کر رہا تھا کہ ایسے ایسے اب بھی لوگ ہیں۔ ایک بتا رہا تھا کہ مدینہ شریف میں یہ پڑھاتے رہے۔ وہاں دفتر کا چپڑاسی تھا۔ کوئی کام اس کو کہا اس نے کہا کہ نہیں۔ کام کے لئے وہ عربی اتنے اچھے نہیں ہیں۔ عربی لوگ بیٹھنے کے بڑے ماہر ہیں۔ بیٹھیں گے، گپیں لگائیں گے، قہوہ چلے گا۔ اس چپڑاسی کو کام کہا اس نے انکار کیا تو میں نے اس کو بلا لیا۔ اس کی ٹھکائی کی کہ تم حرام خوری کرتے ہو۔ چائے پیتے ہو، قہوہ پیتے ہو، کام نہیں کرنا۔ اس نے کہا:

واللّٰہ ا نا صائم ۔ ملک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پھر چڑھائی کردی ۔ میں نے اس کو کہا کہ تم کام چور لوگ ہو ۔ کبھی ترقی نہیں کر پاؤ گے ۔ یہ اور وہ ۔ اس نے کہا: واللّٰہ ا نا صائم: دو تین دفعہ اس نے یہی کہا ۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ہے ! میں اس کو کیا کہتا ہوں اور یہ آ گے مجھے کیا کہتا ہے ۔ پھر اس نے وہی کہا: واللّٰہ ا نا صائم ۔ پھر مجھے نبی پاک ﷺ کی حدیث یاد آئی ۔ ہم نے تو پڑھی ہے مگر ہم نے کبھی اس کا عملی مظاہرہ نہ کیا ہے ۔ نہ کبھی دیکھا ہے ۔ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ 'میرا روزہ ہے ۔' (حدیث مبارکہ میں ہے کہ) آپ کہہ دیں کہ میرا روزہ ہے' لڑائی لڑو، گالیاں دو، جو مرضی کرو ۔ واللّٰہ ا نا صائم ۔ میرا روزہ ہے ۔ میں تجھے جواب نہیں دے سکتا ۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر مجھے پتا چلا کہ یہ مجھے کیا کہہ رہا ہے ۔ وہ حدیث مجھے سمجھ آئی ۔ ہم تو کہتے ہی نہیں ۔ ہم نے پڑھا ہے سبق سکھانے کے لئے ، پڑھانے کے لئے ۔ نہ ہم نے خود کہا ہے اور نہ ہی کبھی ہم میں سے کسی نے کہا ہے کہ میرا روزہ ہے ۔ میاں تو گالی دے جو مرضی کرے میں ۔۔۔ پھر میں نے اس سے معافی مانگی اور معذرت کی ۔

وہ عموماً پیر وار کا روزہ رکھتے ہیں کیونکہ نبی پاک ﷺ رکھا کرتے تھے کہ میری پیدائش کا دن ہے ۔ اب بھی وہ وہاں پیر کا روزہ رکھتے ہیں ۔ اسی لئے دو تین بار اس نے کہا کہ میرا روزہ ہے تو انہیں یاد آیا کہ یہ کہتا کیا ہے تو پھر انہیں یہ حدیث یاد آ گئی کہ جو لڑائی لڑے ، جھگڑا کرے تو کہہ دو کہ میرا روزہ ہے ۔ مطلب یہ کہ عملی طور پر اس کا سبق ہے کہ اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ آدمی Learn کرتا ہے کہ واقعی ایسا کہا جا سکتا ہے ۔ یہ آپ کریں تو بڑی بہادری کا کام ہے ۔

میں نے انہیں کہا کہ ایسے ہی کوئی احوال لکھا کریں جو لوگوں کے دل پر Strike ہوں ۔ یہ آیتیں تو انہوں نے سنی ہیں کہ روزے تم پہ فرض کیے گئے ہیں جیسے پہلی قوموں پر فرض کیے گئے تھے ۔ یہ بھی حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کو روزے سے سوائے بھوک پیاس کے اور کچھ نہیں ملے گا اور راتوں کو جاگنے سے اور نمازیں پڑھنے سے سوائے جاگنے کے انہیں کچھ حاصل نہ ہو گا ۔ اس کے اندر روح جو اس کی ہے اس میں سے کچھ نہیں ملے گا ۔

وہ بات بتائی جائے کہ یہ ہمیں کرنا ہے۔

(باباجانؒ نے راقم سے کہا کہ) یہ آپ کریں۔ پرانے بزرگوں نے وہ چالیس حدیثیں اکٹھی کر کے لکھی ہیں ایسی آپ بھی لکھ دیں کوئی حدیثیں کتابوں سے نکال کے چالیس حدیثیں۔ چھپوادیں۔ ایسی بہت سی حدیثیں ہیں کہ جو یہ کام کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وہ مسلمانی سے ہی نکال دیا حضور ﷺ نے کہ وہ مسلمانی میں ہی نہیں ہے۔ جس نے دھوکا بازی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ مَن غَشَّ فَلَیسَ مِنَّا. جس نے ہیرا پھیری کی، کاروبار میں دھڑ امارا، دونمبر مال بیچا۔ مَن غَشَّ فَلَیسَ مِنَّا. جس نے دھوکا بازی کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وہ امت میں سے ہی نہیں ہے، چھوڑو باقی باتیں۔ وہ اس امت میں سے نہیں ہے۔ جو چھوٹوں سے شفقت نہیں کرتا، بڑوں کا ادب نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اب ایسی باتیں جتنی سخت ہیں چلو (باقی باتوں کا) کوئی حساب ہو۔ کوئی Grading up and down ہو گی لیکن وہ ہم میں سے ہے ہی نہیں یہ تو بڑی سخت بات ہے۔ وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا۔ من حمل علینا السلاح فلیس منا. جس نے ہتھیار اٹھایا ہم پر وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ کسی مومن پر ہتھیار نہیں اٹھانا۔ ادھر پٹھان کہتا ہے کہ جس میں غیرت نہیں ہے اس میں ایمان نہیں ہے۔ غیرت کا مطلب کیا ہے؟ کاٹ دو؟ اُدھر یہ چلتا ہے۔ اِدھر یہ حکم ہے۔

حضور ﷺ کے حکم پر باباجیؒ نے اِدھر بیعت بھی رکھی۔ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسری مخلوق محفوظ رہے۔ نہ اس کی زبان سے کسی کا دل دُکھے، نہ اس کے ہاتھ سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ باباجیؒ (بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے بیعت میں یہ شامل کر دیا ہے۔ ’اپنے کسی قول، فعل یا حرکت سے کسی انسان کو، مسلمان نہیں کہا، کسی انسان کو دکھ، رنج یا تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔‘ ایسی بات ہی نہیں کروں گا کہ کسی کو تکلیف پہنچے۔ اچھے طریقے سے بات کی جاسکتی ہے۔

(باباجانؒ نے راقم سے کہا کہ) ایسے کرلیں ہاں۔ ایک مجموعہ بنا کے Striking قسم کی۔

یہاں بخاری شریف کا سیٹ ہمارے پاس پڑا ہے یہ لے لیں۔ایسی حدیثیں اکٹھی کر کے لکھ دیں۔ایسی خاص خاص باتیں جن میں ایسا ہے کہ ہم میں سے ہے ہی نہیں وہ جو ایسا کرے گا۔

یہ بھی لکھا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جو ہے وہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔باقی گناہ ہو سکتے ہیں۔چوری کرے، زنا بھی اس سے سرزد ہو جائے۔یہ بھی ہو جائے ،وہ بھی ہو جائے لیکن جھوٹ فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا۔جھوٹ میں کوئی جذبات کا پہلو نہیں ہے۔یہ Planned ہے۔ Plan کر کے بولتا ہے۔اس میں کوئی جذباتی قدم نہیں ہوتا۔

ایک بھائی نے 'فضائل اعمال' کا حوالہ دیا۔باباجانؒ نے فرمایا کہ ہاں اس میں بھی بہت ساری ہیں مگر نہیں۔ایسی باتیں جن پہ Gravity زیادہ ہے کہ وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ مسلمانی سے ہی حضور ﷺ نے نکال دیا ہے کہ آپ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ باقی تو چلو آپ اس کے اندر ہیں تو اعمال ایک طبقہ Majority وہی ہوگی جن کے اعمال تو لے جائیں گے۔میزان میں چڑھیں گے۔ایک وہ ہیں جو اچھے ہیں۔بالکل بغیر حساب کے جنت میں چلے جائیں گے۔ایک وہ جو ٹوٹل انسان دوزخ میں چلے جائیں گے۔باقی جو حساب کتاب ہوا اس میں تو رہیں کم از کم۔امت میں تو رہیں کہ اہلِ ایمان ہیں۔ان کا حساب کتاب ہوگا۔ان کے اعمال تو لے جائیں گے۔دیکھیں گے کہ وہ کس طرف جاتے ہیں۔لیکن جن کو نبی کریم ﷺ نے فرما دیا ہے کہ وہ ہم میں سے ہیں ہی نہیں،ان کا کیا بنے گا؟ ایسی باتیں کہ جھوٹ نہیں بولتا وہ۔

کل ایک فیملی آئی۔ان کو پانی پلا رہے تھے۔انہوں نے کہا کہ ہم نوکھر سے آئے ہیں۔ ہم گاڑی پہ ہیں۔ہم نے کہا کہ گاڑی لے آؤ اندر۔وہ لوگ کے اترے تو وہ واقف نہیں تھے لیکن مائی صاحبہ ہماری بہن بنی ہوئی تھیں۔مائی کورائی۔وہ ہے ناں بڑھا کورائیہ۔ذات ہے جٹوں کی کورائیہ۔وہ کورائی تھیں۔اس کے میاں ٹیچر تھے۔ہیڈ ماسٹر تھے۔ایم اے، بی ٹی کیا تھا۔مائی بالکل ان پڑھ تھی مگر تھی بڑی درویش قسم کی۔تسبیح ہاتھ میں۔ہر وقت اللہ کی باتیں۔میاں محمد بخش کے شعر اور میاں باہوؒ کے شعر۔ہر وقت یہی کرتی رہتی تھیں۔وہاں نوکھر دکان میں بھی آ کر بیٹھی

رہتیں گھنٹہ گھنٹہ۔ گھر میں بھی آتیں۔ جب بھی آتیں تو گھر سے ہو کر جاتیں۔ بچوں سے بھی سب سے بڑا پیار تھا۔ وہاں بیٹھ کر انہوں نے دو چار شعر سُنا کر ہی آنا ہوتا تھا۔ جب تک نوکھر رہے، ان کی شادیوں میں بھی ہم جاتے رہے۔ ان کے بیٹوں کی شادیاں ہوئیں۔ بیٹے تو ہم سے اتنے Familiar نہیں تھے۔ میاں بھی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ ان کے والد صاحب کا بھی ہمارے والد صاحب کے ساتھ دوستانہ تھا۔ ان کے بیٹے کہیں قتل میں ملوث ہو گئے۔ ایک باہر چلا گیا تھا وہ دوسرے کو بھی لے گئے۔ وہ باہر ہی رہے لیکن وہ کہتی کہ میں نے اللہ میاں سے معافی مانگی ہے۔ میں نے کہا ہے کہ اللہ میاں معاف کر دے۔ اگر مجھے کہا کہ گواہی دے دو تو میں نے دے دینی ہے کہ اس نے قتل کیا ہے۔ کہتی ہے کہ میں نے گواہی دے دینی ہے۔ کہتے کہ تو کیسی ماں ہے؟ کہتی: اللہ کا حکم ہے کہ گواہی اپنی ذات کے خلاف بھی ہو تب بھی دو۔ بیٹا ہے تو کیا ہوا۔ میں نے دے دینی ہے۔ اس نے اللہ سے دعائیں کیں، اس نے مجھے وہاں بلایا۔ دوسرا بیٹا بھی چلا گیا۔ انہوں نے حج بھی کرائے دو (۲) مجھے۔

دولڑ کے گاڑی سے نکلے اور پیچھے سے وہ بھی نکل آئی۔ ہم نے کہا کہ آج ہماری بہن آ گئی ہے۔ ان کو بٹھایا۔ پانی پلایا۔ کافی دیر پھر بیٹھنا پڑا۔ وہ جانے کے لئے تیار تھے ان کا کوئی مقدمہ تھا۔ آج کل خالد وہاں لگا ہے 'قلعہ کالروالہ'۔ واہنڈو سے آگے ہے قلعہ کالروالہ، سیالکوٹ میں ہی آتا ہے۔ سیالکوٹ کا تھانہ ہے وہ واہنڈو کے ساتھ کہیں لگتا ہے۔ وہاں خالد تعینات ہے۔ وہ لڑکا جو آیا تھا وہ باجی کا داماد تھا۔ وہ وہاں کا تھا۔ ان کا کہیں زمیندارے میں چچا کے ساتھ زمین بانٹنے کا تنازعہ تھا۔ وہ بیٹی جو ہماری وہاں بیاہی ہے اسے پتا چلا کہ خالد یہاں لگا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ خالد تو میرا بھائی ہے۔ اس نے اپنے میاں کو بتایا۔ میاں خود بھی ٹریفک پولیس میں یہاں لاہور ہے۔ بہر حال ان کا رابطہ ہو گیا۔ خالد نے کہا کہ کوئی بات نہیں یہ میری باجی ہیں۔ کوئی بات نہیں ٹھیک کریں گے۔ انہیں تسلی دی کہ ٹھیک ہو جائے گا کوئی فکر والی بات نہیں۔ اس لئے وہ لڑکا بھی ساتھ آیا اور ایک نواسہ بھی۔ یہ نوکھر ملنے آئے۔ وہ یہاں بیٹھے اور اپنی باتیں سناتے رہے۔

وہ بیٹا پہلی دفعہ یہاں آیا تھا اسے ہزار روپے کی سلامی بھی مل گئی ۔ یہ میرا پوتا ہے ۔باجی نے بہت کہا کہ رہنے دیں چھوڑ ے دیں نہیں! نہیں! میرے پاس اللہ کے دیئے ہوئے بڑے پیسے ہیں ۔میرے دو بیٹے باہر ہیں، ماسٹر کی پنشن ہے ۔میاں کو ماسٹر ہی کہتی تھی ۔ماسٹر کی پنشن ہے میرے پاس باہر سے بھی پیسے آتے ہیں ۔خالد سے کہتی ہے کہ میں تیرے ابو کی بارات میں بھی گئی تھی ۔خوب پیار تھا اس نے کہا تھا کہ چل میری باجی یہ کار تیری ہے ۔مگر آج ان کی سلامی بنتی تھی، لے لی ۔خالد کو فون کیا تو اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں ابا جی ۔آ گئی ہیں باجی ۔انہیں پتا چل گیا ہے تو انہوں نے مل لیا ۔میں نے کہا کہ خالد غلط کام نہیں کرتا ۔صحیح کرے گا ۔وہ تھانہ ہی بہت برا ہے ۔ جرائم پیشہ لوگوں کا علاقہ ہے ۔سادہ سے تھانے دار کے قابو میں تو وہ ویسے ہی نہیں آتا ۔کافی بڑا تھانہ ہے ۔وہاں دریائی علاقہ ہے تو کافی چیزیں دیکھنی پڑتی ہیں ۔

ہم لیبیا تھے تو ہمارے ساتھ ایک بھائی تھے ۔وہ ماموں کانجن کے رہنے والے تھے ۔وہ کہتے تھے کہ وہاں ایک بابا تھا ۔اس کے بیٹوں نے ایک بندہ قتل کر دیا ۔اُنہوں نے ان کا بندہ مارا تھا تو انہوں نے اُن کا بندہ مار دیا ۔ان کا بندہ جب مرا تھا تو اس قتل میں کوئی گواہی نہیں تھی ۔کوئی خاص سزا نہ ہوئی ۔اِنہوں نے بھی پھر بندہ مار دیا ۔ان کے خلاف بھی کوئی خاص گواہیاں نہیں تھیں ۔سزا کسی کو نہیں ملتی تھی ۔وہ جو مدعی پارٹی تھی انہوں نے جج سے کہا کہ چلو جی ہمارا کیس تو اس طرح لگتا ہے ہم مدعا علیہ پارٹی کے باپ کی گواہی ڈالتے ہیں ۔ان کی پارٹی سے جوان کا باپ کہہ دے اس پر فیصلہ ہو جائے ۔جج نے ان کے باپ کو بلا لیا ۔

اس (ان کے باپ) نے کہا کہ اس کیس میں میری گواہی بنتی تو نہیں ہے ۔انہوں نے مجھے کیوں ڈالنا تھا اس مقدمہ میں کیونکہ مقدمہ میرے بیٹوں پر ہے ۔مگر آپ نے بلا لیا ہے تو میں اب سچ بولوں گا ۔نہ میں نے اِن (اپنے بیٹوں) کی قبروں میں جانا ہے اور نہ میں نے اُن (مخالف پارٹی) کی قبروں میں جانا ہے ۔فیصلہ جو مرضی ہو گا، ٹھیک ہے ۔سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے ہمارا بندہ مارا ہے ۔ساری دنیا کو پتا ہے کہ مارا ہے ۔عدالت کو پتا ہو یا نہ ہو مگر باہر ساری دنیا کو

پتا ہے کہ انہوں نے ہی مارا ہے۔ان کوکوئی سزا نہیں ہوئی۔عدالت نے بری کر کے چھوڑ دیا۔ میرے بیٹوں نے اس کا بدلہ لیا ہے۔عدالت یہ کرتی۔مگر نہیں کیا تو انہوں نے یہ کرنا تھا۔بندہ مارا ہے۔حق سچ مارا ہے مگر اُس قتل میں مارا ہے بندہ۔اب آپ جو مرضی فیصلہ کردیں۔جج کو سپورٹ تو چاہیے ہوتی ہے، ویسے ہی تو فیصلہ نہیں کردیتا بے شک پتا ہی ہو۔جج نے بے شک آپ نے بھی دیکھا ہو۔سامنے قتل ہو، جب تک اس کی سپورٹ کرنے کے لئے Suppliment نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں کرتا۔وہ جو بھی ہوا مگر باپ نے گواہی دے دی اپنے بیٹوں کے خلاف کہ حق سچ مارا ہے میرے بیٹوں نے بندے کو۔اُنہوں نے ہمارا بندہ مارا تھا تو اِنہوں نے اُن کا بندہ مار دیا ہے۔اب آپ جو مرضی کریں۔بڑے بڑے نیک لوگ ہیں۔

'اردو ڈائجسٹ' آتا تھا اور ایک 'حکایت' آتا تھا۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) بھی پڑھتے تھے حکایت۔ایک اردو ڈائجسٹ ہے اور ایک حکایت ہے۔اس کا بانی جو تھا وہ بھی ایئر فورس کا تھا۔سارجنٹ عنایت اللہ نام تھا شاید۔اب اس کا بیٹا ہے۔پتا نہیں کیا نام ہے اس کا۔عنایت اللہ پہلے 'سیارہ' میں تھا۔پینسٹھ (۶۵) کی جنگ ہوئی تو اس نے جنگی وقائع نگاری بڑی زبردست کی۔وہ فوج کا آدمی تھا۔اس کا بڑا نام ہوا۔اس نے کتابیں بھی لکھیں۔'پاک فضائیہ کے شاہین' اور 'وی آر بی بہتی رہے گی'۔پھر اس نے اپنا ڈائجسٹ نکالا اور اس کا نام حکایت رکھا۔جب سے شروع ہوا ہم اس کو پڑھتے تھے۔لیبیا میں بھی منگوا کے پڑھتے رہے۔ اس میں ایک زبردست کہانی آتی تھی۔ایک دفعہ یہ مضمون آیا۔

کراچی سے ایک بندہ مال بیچ کر آیا تھا۔اس نے پیسے بیوپاری کو دیے۔جیب کاٹنے والے وہاں بیٹھے رہتے تھے۔چلتے پھرتے رہتے تھے کہ کس کو پیسے ملے؟ کون کدھر جا رہا ہے؟ چند ہزار روپے تھے انہوں نے باندھے۔جیب کترے پیچھے لگ گئے۔کراچی سے بیٹھا۔گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ٹکٹ لیا۔جیب کتروں نے بھی اسی اسٹیشن کا ٹکٹ لے لیا۔انہوں نے ساتھ ہی چلنا تھا۔شکار ان کا طے ہو گیا۔یہ Mark ہو گیا۔وہ بیٹھ گئے اس کے ساتھ۔

اس بندے کی پیچھے عورت تھی جس کی کسی سے دوستی تھی۔ یہ وہاں کراچی منڈی مال لے کر گیا۔ پروگرام یہ تھا کہ اس بیوپاری نے آجانا ہے۔ پروگرام کے مطابق رات یا شام والی گاڑی آئی ہے اور اس نے آجانا ہے لیٹ۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ اس نے رات کو آنا ہے۔ کسی کو پتا نہیں کہ آیا ہے کہ نہیں۔ ہم اس کو ماردیں۔ جب آئے تو اسے ماردیں۔ اسٹیشن سے ہٹ کر گاؤں تھا ساتھ کہیں ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر۔ انہوں نے آگے یہ پروگرام بنایا۔

یہاں ایک بندہ چل پڑا پیچھے پیچھے لیکن ریلوے میں کہیں موقع بنا نہیں۔ آگے وہ (جیب کترے) بندہ بیچ بھی چھوڑتے ہیں کہ اس نے سندھ تک جانا ہے۔ آگے لاہور جانے والی پارٹی ہے۔ اسے اطلاع کر دیتے ہیں کہ بندے کے پاس اتنے پیسے ہیں۔ یہ اپنی فیس لے کر بندہ Handover کر دیتے ہیں۔ اب وہ بندہ وہاں آبیٹھا۔ راستے میں وہ اکٹھے بیٹھے رہے۔ بات چیت ہوتی رہی اور اسے پتا چلا کہ اس نے فلاں گاؤں جانا ہے۔ وہ چل پڑا۔ وہ جیب کترا بھی تھوڑا فاصلہ رکھ کے چل پڑا۔ پیدل جانا تھا۔ چلتے گئے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بیوی نے ہی دروازہ کھولا اور یہ اندر چلا گیا۔ چھوٹی چھوٹی دیوار تھی۔ وہ جیب کترا بھی دیوار پھلانگ کر اندر چلا گیا۔ وہاں صحن میں ہی جانور باندھنے کا ایک چھوٹا سا کھمبا تھا، یہ اس کے پیچھے چھپ گیا۔ جس وقت وہ بیوپاری اندر چلا گیا، اس نے قمیص اتاری اور ٹانگ دی۔ پھر وہ دروازہ دوبارہ کھٹکھٹایا تو وہ بندہ جو اس بیوپاری کی بیوی کا تعلق دار تھا، وہ اندر آیا۔ مرنے مرانے والی میٹنگ بعد میں ہوئی۔ یہ بندہ اس عورت کا دوست تھا۔ اس عورت نے کہا کہ وہ آگیا ہے، تم گھنٹے دو بعد آنا، وہ سو جائے گا، تم دروازہ کھٹکھٹانا، میں کھول دوں گی۔ یہ باتیں کر رہے تھے اور وہاں ساتھ ہی وہ جیب کترا چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے ساری بات چیت سن لی۔ اس نے کہا کہ یہاں تو اور ہی ڈراما بن گیا ہے۔ میں تو اس کی جیب کاٹنے کو آیا تھا، یہ دوسرا تو اس کی جان لینے کو آیا بیٹھا ہے۔ اس جیب کترے نے کہا کہ یہ ظلم ہے۔ یہ بے وفا عورت جو ہے یہ اس کو مروانے لگی ہے۔ اس کا ضمیر جاگ گیا کہ نہیں جی یہ میں نے نہیں ہونے دینا۔ جیب کترے جو ہیں یہ چاقو وغیرہ نہیں رکھتے۔

ان کا صاف ستھرا ہاتھ کی صفائی کا کام ہوتا ہے۔اندر اس نے اندھیرے میں ہاتھ ڈالا کہ کوئی ڈنڈا ملے۔وہاں اسے ایک کلہ ملا جو بھینسوں کے لئے ٹھکا ہوا تھا۔جٹ لوگ بڑے مضبوط کلے لگاتے ہیں مگر اس نے زور لگا کر اسے توڑ لیا۔کافی موٹا Weapon تھا جو اس کے ہاتھ آ گیا۔ اس نے کہا کہ چلو اللہ خیر کرے۔وہ جو اندر تھا اسے تو نیند ہی نہ آئے۔وہ کہاں سوتا تھا۔ اس جیب کترے کا پروگرام یہ تھا کہ وہ سو جائے اور میں پیسے لے کر نکل جاؤں۔

کوئی دو گھنٹے بعد وہ دوسرا اس عورت کا دوست آ گیا۔ اُس نے دروازے پر ٹک ٹک ماری اور اس عورت نے اندر سے دروازہ کھولا کہ یہ سو گیا ہے۔یہ اندر گئے اور اندر دروازے کے پاس یہ جیب کترا کھڑا تھا۔اس نے ضرب ماری الا اللہ۔ پار ہو گیا۔وہ دیوار پھلانگ کر اپنے اڈے پر واپس بھاگ گیا۔اس عورت نے شور ڈالا کہ بندہ مر گیا ہے، بندہ مر گیا ہے۔لوگ آ گئے۔ پولیس بھی آ گئی۔اسے آ کے پکڑ لیا۔مقدمہ چلا۔اس بیوپاری سے پوچھا کہ کس نے مارا ہے؟ اس نے کہا کہ جی میں نے مارا ہے۔وہ ایسے ایسے یہاں آیا اور میں نے مار دیا۔اس بندے کے خلاف اس کی بیوی کی گواہی تھی۔بیوی کے سامنے تو یار مر گیا ہے۔اس نے تو شور کیا کہ بندہ مر گیا ہے اور اس نے مارا ہے۔وہ جیل چلا گیا۔

وہ جیب کترا جو تھا وہ آتا رہا عدالتی کاروائی دیکھنے اور گواہیاں سننے کہ کیس کہاں تک پہنچا ہے؟ یہی کوئی چھ مہینے سال چلا کیس۔جب دیکھا کہ یہ پھنس گیا ہے۔یہ نہیں بچتا۔یہاں تو اکیلی گواہی ہے بیوی کی اور وہ اس کے خلاف ہے کہ اس نے ہی مارا ہے۔اس کو سزائے موت ہو جانی ہے۔ایک دن وہ جیب کترا پھر آ گیا کہ جناب عالی میں نے بھی اس کیس میں کچھ بات چیت کرنی ہے۔اس جیب کترے نے داڑھی رکھ لی، ٹھیک ٹھاک حلیہ بنا لیا۔سارے برے کام چھوڑ دیے۔اب داڑھی رکھ لی، حاجی صاحب بن گیا۔اس نے تسبیح پکڑی اور آ گیا کہ میں نے بھی اس کیس میں کوئی بات کرنی ہے۔جج نے کہا کہ کر۔

اس نے سارا واقعہ سنایا کہ فلاں تاریخ کو ایک بیوپاری آیا۔اس نے مال بیچا۔

اس کے پاس پیسے تھے،ایک جیب کترا اس کے پیچھے لگ گیا۔ساری کہانی اس نے جیب کترے پر ڈالی کہ بندہ وہ مار گیا اور بھاگ گیا۔الزام اس عورت نے اپنے شوہر پر لگا دیا۔جیب کترا تو چھلانگ مار کے چلا گیا،رات کا ٹائم تھا۔مقدمہ چلا تو پھندا پھر اس غریب کے گلے میں آ گیا ہے جس واسطے جیب کترے نے مارا بھی،قربانی بھی دی،اور اسے بچانے کے لئے سب کچھ کیا۔پھر اس جیب کترے کا ضمیر جاگ گیا کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔اس نے کہا کہ میں تو عمر گزار بیٹھا ہوں ،کوئی بات نہیں مجھے سزائے موت ہو جائے پرواہ نہیں۔وہ جیب کترا میں ہوں جو پیچھے گیا اور جس نے کاروائی کی۔بات انہیں سمجھ آ گئی۔اس کیس میں وہ عورت پھنس گئی۔اس جیب کترے کو بھی کچھ سزا ہوئی۔ججوں کی اپنی Judgement تھی کہ اس نے کہانی صحیح سنائی ہے۔

ایسے ایسے کئی عجیب وغریب کیس پڑھے جاتے ہیں۔ہمارے وہاں گاؤں میں میری برادری کا ہی ایک گجرات کے قریب رہنے والا تھا۔وہ بدمعاش قسم کا تھا۔اس نے کوئی قتل بھی کیا۔کیس چلا۔قتل ثابت نہ ہو سکا اور وہ بری ہو گیا۔قتل کا کوئی اور کیس تھا تو پولیس والوں نے اسے بھی ڈال دیا۔ایسے ہی ڈال دیا۔جس کیس میں وہ ملزم تھا اس میں بری ہو گیا اور جس کیس میں یہ ملوث نہیں تھا،اس میں سزائے موت ہو گیا۔گجرات سے وہ چھوڑ کر یہاں نوکھر آ گئے تھے مگر جس کیس میں یہ ملوث نہیں تھا اس میں اس کو پھر بھی سزائے موت ہو گئی۔اس نے کہا کہ نہیں،مجھے اس کیس میں سزائے موت نہیں ہوئی۔مجھے اُس پرانے کیس میں سزائے موت ہوئی ہے،اس قتل میں ہوئی ہے جو میں نے مارا تھا۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: الطاف حسین بٹ صاحب

مورخہ: 01.01.2004

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ !

ابرار احمد صاحب حیدر آباد میں اپنے ماموں کے ہاں رہتے ہیں۔اگر وقت ملے تو کسی چھٹی کے دن ان سے ملاقات کی کوشش کریں تا کہ بیٹھ کر اللہ کی محبت کی باتیں کر سکیں۔وہ بڑے اچھے بھائی ہیں۔ملازمت بھی کر رہے ہیں اور اکاونٹس کی کلاس میں پڑھ بھی رہے ہیں۔

آپ کی ٹریننگ کا اب کتنا عرصہ باقی ہے۔اللہ تعالیٰ یہ بھی خیر خیریت سے گزارے اور آپ سب بھائیوں کو کامیاب فرمائے۔آمین!

ایک مسلمان کیلئے نماز اور کثرتِ ذکر کا پابند رہنا بہت ضروری ہے۔یہ بنیادی فرض ہے،جس سے کردار بنتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرو گے تو اللہ کی محبت حاصل ہوگی،اس لئے مخلوق کی خدمت کرنے والے بن جاؤ۔اسے دکھ اور رنج نہ پہنچاؤ۔اس پر ظلم نہ کرو۔اس کا مال دھوکے اور ظلم سے نہ کھاؤ۔بلکہ حسبِ توفیق اسے کچھ دینے والے بن جاؤ۔یہی اسلام کا سچا طریقہ اور کامیابی کی راہ ہے۔خط لکھتے رہا کریں تا کہ رابطہ رہے۔

والسلام

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہ !

آپ کا خط ملا۔یہ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی کہ آپ اور آپ کے دوست اللہ کے فضل سے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ نماز بُرے اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔ (وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ)

اللہ کو یاد رکھنا ایمان لانے کے بعد افضل ترین عمل ہے۔اللہ تعالیٰ یاد رہے گا تو باقی نیکی کے کام بھی یاد رہیں گے۔ برائی سے بچنے کا ملکہ اور تقویٰ کی قوت بھی پیدا ہوگی۔اللہ کو یاد کرنے کا طریقہ نمازِ پنجگانہ، قرآن کریم کی تلاوت اور چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت دل سے اللہ کو یاد کرنا ہے۔کسی اللہ والے سے سیکھ کر یہ کام کیا جائے تو اس میں بڑی لذت ملتی ہے۔اور ایمان کی حلاوت یعنی مٹھاس دل میں گھر کر لیتی ہے اور انسان اس راہ میں پختہ ہو جاتا ہے۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اللہ تعالیٰ آپ سب کو لذتِ آشنائی عطاء فرمائے تاکہ آپ کے دل روشن ہو جائیں اور حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق نماز آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جائے۔آمین!

دینِ اسلام ایک فطری دین ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کیلئے دنیا اور کام کاج کو چھوڑنا نہیں پڑتا بلکہ دنیا کے سارے کام احسن طریقے سے انجام دیتے ہوئے، یہ منزل طے کرنے کا حکم ہے۔اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، اس کے حبیب ﷺ سے محبت کرو اور اس کی مخلوق کے ساتھ عالمگیر محبت کرو۔ہر انسان بلکہ پودوں اور جانوروں سے بھی محبت کرو، اور اپنے کسی قول و فعل یا حرکت سے کسی انسان کو دکھ رنج تکلیف ہرگز نہ پہنچاؤ، لوگوں سے چھیننے والے نہ بنو بلکہ حسبِ ہمت خدمت کرنے والے بنو، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے میں سے دینا ہے، اپنی کمائی سے تھوڑا بہت غریب و مسکین انسانوں کو بھی حصہ دیا کرو۔زیادہ ملے تو آپ بھی زیادہ دیں، تھوڑا ملے تو تھوڑا دیں، لیکن ہمیشہ دینے والوں میں شامل رہیں۔حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنے

آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ چاہے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ دینے کی توفیق ہو۔ یہاں کھجور نہیں بلکہ کھجور کا ٹکڑا فرمایا گیا ہے۔ یہ پیار والوں کا نصاب ہے۔زکوٰۃ کیلئے سونے چاندی کا نصاب دوسرا ہے۔اللہ تعالیٰ کمیت نہیں بلکہ کیفیت دیکھتے ہیں۔دوسرا انسان کبھی زیادتی کر بھی دے تو اللہ کیلئے اسے معاف کر دیا کرو، یہ بہت اونچے اخلاق کی بات ہے کہ بدلہ تو جاہل گنوار بھی لے لیتے ہیں، لیکن معاف کر دینا اور گالی سن کر دعائیں دینا انبیاء اور مقربین کا کردار ہے۔اگر آپ کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور معاف کر دیں گے۔اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنے رضا والے اعمال اور اپنے مقرب بندوں والی سوچ نصیب فرمائے۔خوشی ہوئی کہ آپ کو پکا نمبر مل گیا اور ڈیوٹی بھی آرام والی جگہ مل گئی ہے، یہ سب اللہ کے کام ہیں وہ جیسے کرے اور جہاں رکھے اور جیسے رکھے، بندے کا کام ہے اپنے مالک کی رضا پر راضی رہے، آپ بھی ہمیشہ خوش رہا کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دے رکھی ہیں ان کیلئے شکر و حمد و ثناء کرتے رہا کریں۔آپ اسکے شکر گزار بندے بن جائیں گے تو وہ بھی آپ پر خوش ہو جائے گا۔یہ ہے اسلامی فقر کی سچی تعلیم۔ آپ لوگ دور رہتے ہیں اس لئے زیادہ نصیحتیں لکھتا ہوں تا کہ آپ کو فائدہ ہو۔احباب کو بہت سلام۔محبت اور محنت دونوں کی ضرورت ہے۔نکتہ نیچے ہو تو محبت، اور اوپر لکھا ہو تو محنت۔دونوں ساتھ ساتھ ملیں گے تو کامیابی قدم چومے گی۔میری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں **والسلام**

فلسفہ قربانی ،پیغمبرانہ کردار کی ضرورت

(ماجد محمود توحیدی: مرکز تعمیر ملت)

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

ماہ ذوالحج امت مسلمہ کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے اور اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہی وہ مبارک ماہ ہے جس میں پوری دنیا سے مسلمان رنگ ونسل اور زبان وبیان کے فرق کو مٹا کر اور جغرافیائی حدود سے آزاد ہو کر اپنے خالق و مالک کے حضور اکٹھے ہوتے ہیں۔اس مبارک گھر میں جسے اللہ رب العزت نے اپنا پہلا گھر قرار دیا ہے۔پوری امت مسلمہ کے نمائندے دہاں یک زبان و یک لباس ہو کر وحدت امت کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا پہلا گھر یعنی بیت اللہ شریف اللہ کے برگزیدہ رسول اور خلیل حضرت ابراہیمؑ کی یادگار ہے جسے آپؑ نے اپنے صاحبزادے جناب حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر تعمیر فرمایا اور اس کی تعمیر و تکمیل کے بعد اس گھر کی آبادکاری کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا بھی فرمائی جسے قرآن حکیم میں دعائے خلیل کے طور پر یوں بیان فرمایا ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ان لوگوں میں، انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما جو ان کو تیری آیات پڑھ پڑھ کر سنائے اور کتاب اور دانائی سکھائے اور ان کے دلوں کو پاک کرے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے خلیل کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور دعائے خلیل اللہ کے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی بن کر دنیا میں تشریف لائے

جن کے نورِ نبوت سے انسانیت کو اپنی منزل سے آشنائی نصیب ہوئی۔

حضرت ابراہیمؑ کی یادگاروں میں سے ایک یادگار (قربانی) بھی ہے۔قربانی پر بات کرنے سے پہلے ہم سیرت ابراہیم کا مطالعہ کرتے ہیں تا کہ ہم فلسفہ قربانی کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ حضرت ابراہیمؑ اللہ کے نہایت ہی برگزیدہ پیغمبر ہیں۔آپ کی فضیلت وعظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تینوں بڑے الہامی مذاہب کے پیروکار (مسلمان، عیسائی اور یہودی) انہیں اپنا پیشوا اور امام مانتے ہیں۔یعنی تینوں مذاہب میں یکساں عزت و احترام کے حامل ہیں۔ ہم مسلمان بھی بڑے فخر سے خود کو ملت ابراہیمی کہتے ہیں۔

آپؑ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ آزمائش وابتلا میں گزارا۔آنکھ کھولی تو اپنے ماحول کو بلکہ اپنے خاندان کو بھی بتوں کا پجاری پایا۔جب بت فروشی و بت پرستی کی مخالفت کی تو سارا معاشرہ آپؑ کی جان کا دشمن ہو گیا۔وقت کے نمرود نے آپؑ کو آگ میں جلانا چاہا تو اللہ کے خلیل بے خوف وخطر اپنے مالک کی رضا کے لیے آتش نمرود میں کود گئے

علامہ اقبالؒ نے بھی حضرت ابراہیمؑ کے جذبۂ عشق کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشہ لب بام ابھی

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں شریک حیات سے جدا ہونے کا حکم دیا تو آپؑ خوشی خوشی سے اپنے مالک کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے انہیں اور اپنے چھوٹے سے لختِ جگر کو ایک ویران جگہ جہاں نہ کچھ کھانے کے لیے تھا نہ کچھ پینے کے لیے، چھوڑ آئے۔اللہ کے خلیل کی صحبت میں رہنے والی شریک حیات حضرت ہاجرہؑ بھی تسلیم ورضا کا پیکر تھیں اور اپنے خالق کی رضا پر خوش تھیں۔جب حضرت اسماعیلؑ ذرا بڑے ہوئے تو اللہ نے انہیں اپنی راہ میں قربان کرنے کا حکم دیا۔یہاں سے انسانی تاریخ کا وہ باب شروع ہوتا ہے جس کی مثال پوری کائنات کی مخلوقات مل کر بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔تاریخ کا یہ باب انسانیت کی معراج ہے۔یہ بندگی کا

وہ اعلیٰ مقام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص و منتخب بندوں کو عطا کرتا ہے جو اللہ کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تکمیل کے لیے آپؑ اپنے بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔حضرت اسماعیل کو زمین پر لٹا دیتے ہیں اور چھری ان کے نرم و نازک حلق پر چلا دیتے ہیں۔جب آنکھیں کھولتے ہیں تو حضرت اسماعیلؑ آپ کے پاس کھڑے ہیں ان کی جگہ ایک دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کے اس جذبے اور کمال بندگی کو قرآن میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاء اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ (102) فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ (103) وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ (104) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (105) إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاء الْمُبِينُ (106) وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ (107) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (108) سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ (109) كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (110) إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ(صافات 102-111)

ترجمہ:جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیمؑ نے کہا کہ بیٹا میں خواب دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں،تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟انہوں نے کہا کہ ابا جان جو آپ کو حکم ہوا ہے آپ وہی کیجیے۔اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکوں کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا۔کہ ابراہیم پر سلام ہو،نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً

ترجمہ: اور جب چند باتوں میں ابراہیمؑ کو ان کے رب نے آزمایا تو ان میں ان کو پورا پایا تو اللہ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنا دوں گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے اسی جذبہ قربانی و اطاعت اور فرمانبرداری و تسلیم و رضا کو پسند فرما کر اسے علامت کے طور پر رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے سنت بنا کر زندہ و جاوید بنا دیا۔ آج پوری دنیا کے مسلمان جو استطاعت رکھتے ہیں ہر سال 10 ذوالحج کو اللہ کے پیارے خلیلؑ کی یاد تازہ کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتے ہیں۔ اس سے جہاں اللہ کی رضا و خوشنودی کا حصول ہوتا ہے تو دوسری طرف جناب حضرت خلیل اللہ کے جذبہ اطاعت و فرمانبرداری کو خراج عقیدت بھی پیش کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے مالک و خالق کو راضی کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

برادران کرام! اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی جس کی یاد ہم ہر سال تازہ کرتے ہیں ہمارے لیے کیا سبق رکھتی ہے۔ کیا ہم نے قربانی کا ایک جانور اللہ کی راہ میں قربان کر کے اسوہ خلیل کی پیروی کا حق ادا کر دیا ہے؟ قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے یہ فرمان آتا ہے کہ

قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

ترجمہ: آپ فرما دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اصل میں قربانی کے جانور کے گلے پر چھری چلانا اور حضرت ابراہیمؑ کی سنت کو زندہ کرنے کا مطلب اپنے اندر وہ جذبہ پیدا کرنا ہے کہ میں اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھوں گا۔اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول اپنا سب کچھ قربان کر کے بھی ممکن بناؤں گا۔اور میرا مالک وخالق مجھ سے جس بات کا تقاضہ بھی کرے،خوشی خوشی بے چون وچرا اس کے سامنے پیش کردوں گا۔اپنی خواہشات کو اللہ کے سپرد کردوں گا۔

قربانی والے دن چھری پھرتی تو قربانی کے جانور پر ہے لیکن درحقیقت وہ چھری انسانی خواہشات اور اس کے نفس پر ہونی چاہیے جو اسے اپنے خالق ومالک سے دور کردیتی ہیں اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں رکاوٹ ڈالتیں ہیں۔

مجھے دیکھنا چاہیے کہ اگر تو میرے اعمال اور معاملات اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہیں، میں اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے سرمو انحراف نہیں کرتا، اللہ کی خوشنودی میرے لیے ہر حال میں مقدم رہتی ہے تو پھر یہ واقعی میری قربانی ہے۔اور اس بات کا ثبوت اور دلیل ہے کہ میں اللہ کے لیے سب کچھ اپنا مال، جان اور اپنی خواہشات قربان کرنے کے لیے تیار ہوں،میری ذات اور میری خواہشات اللہ کی ذات کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں پھر تو سبحان اللہ !ایسے شخص کیلئے اللہ کے انعامات اس کی نوازشات اس کی منتظر رہتی ہیں۔دنیاو آخرت میں اس کے لیے عزت ہے

لیکن اس کے برعکس اگر چھری صرف قربانی کے جانور کے گلے پر ہی پھرتی ہے اور ہماری خواہشات اسی طرح قائم ہیں، وہ اللہ کی رضا کے سانچے میں نہیں ڈھلیں، ہمارے معاملات واعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے الٹ ہیں۔تو سمجھ لیجیے ہم نے صرف رسم ادا کی ہے،قربانی نہیں کی۔قربانی کے جانور کے گلے پر چھری پھرنا تو ایک علامت ہے کہ اے اللہ ہم اپنے جدامجد جناب حضرت ابراہیمؑ کی طرح تیری رضا وخوشنودی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہیں،تیری رضا کے سامنے ہماری کسی بھی چیز کی کوئی حیثیت نہیں۔اصل میں صرف قربانی نہیں قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

اللہ تعالیٰ انسان کے دل میں اخلاص اور للّٰہیت پیدا کرنے کے لیے قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ (الحج : 37

ترجمہ: اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اللہ تک تمہاری پرہیز گاری پہنچتی ہے۔

آج اگر ہم پوری امت مسلمہ اپنے خالق و مالک کی پکار یعنی اذان سن کر اللہ کے حضور پیش ہو جایا کریں تو سمجھ لیں ہم نے قربانی کے جذبہ کی ابتدا کر لی۔ اور یہی قربانی کا جذبہ ہمیں اللہ کے مقربین بندوں تک لے جائے گا۔ آج تو مسلمان کے لیے نماز ہی سب سے مشکل اور بھاری بن گئی ہے جس پر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ کہ جس نے نماز قائم کی اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ترک کیا گویا اس نے دین کی عمارت ہی گرا دی۔ کیونکہ نماز ہی دین کا بنیادی ستون (Central Piller) ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعی ہمیں اسوہ خلیل کی پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی جذبہ جاں فروشی ہم میں پھر سے زندہ ہو جائے ہم اپنی خواہشات کو اپنے مالک کی رضا کے سانچے میں ڈھال لیں تو اللہ کی رضا، نوازشات و اکرام پھر سے ہمارا مقدر بنیں گے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

انسانی فطرت وسرشت

(محمد نواز زرومانی)

حضرت انسان کے وجود کے اندر ایک کائنات آباد ہوتی ہے ۔ اسی لئے اسے عالم صغیر کہا جاتا ہے ۔ اس میں ملکوتی صفات بھی ہوتی ہیں اور ابلیسی اوصاف بھی ، بہاروں کا خرام بھی ہوتا ہے اور دوزخ کے شعلے بھی ، گل وگلزار بھی ہوتے ہیں اور خار مغیلاں کے کھیت بھی ، وفا شعاری بھی ہوتی ہے اور بغاوت وخودسری بھی ، اطمینان وسکینہ کی خنک ومشکبار فضائیں بھی اور بادصرصر کے طوفان بھی ۔ نیکیوں کے دریا بھی اور برائیوں کی متعفن نہریں بھی ۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ ان دونوں انتہاؤں میں سے کس انتہا کی طرف قدم بڑھاتا ہے ۔ اس میں وہ با اختیار ہے ۔ ملکوتی راہ پر گامزن ہونے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتب و صحائف نازل کئے تاکہ ان سے ہدایت روشنی اور نور حاصل کرے اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی محبت وعشق سے اپنی زندگی کو منور وآباد کرے تقرب الی اللہ حاصل کرے اور اس کے لئے وہ اعضائے انسانی کی صورت میں عطاء کردہ قوتوں کی مدد سے اپنی منزل مراد کو پہنچے اور اگر وہ ابلیسی راستے کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی فطرت وسرشت میں موجود گھٹیا واسفل صفات کو ابلیس بطور ہتھیار اس کے اعضاء کے حوالے کر دیتا ہے جن سے وہ معاشرے میں فتنے وفساد برپا کر دیتا ہے مخلوق خدا کی زندگی اجیرن بنا دیتا ہے ۔ شیطان ہر مقام پر اس کے ہمرکاب رہتا ہے اسے نت نئے سبق پڑھاتا اور رہنمائی کرتا رہتا ہے ۔ اگر کسی مقام پر اس کا رخ خیر کی جانب ہونے لگتا ہے تو اس کے دل ودماغ میں توجیہات کے انبار لگا دیتا ہے کہ وہ جس راہ پر چل رہا ہے اسی میں اس کی عزت ہے ، فلاح ہے ، آسائش وآرام ہے ، رعب ودبدبہ ہے شیطان کی انتہائی کوشش یہی ہوتی ہے کہ جب انسان اس جہان سے رخصت ہو تو بے ایمان ، گناہوں میں لت پت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان وباغی ہو ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں دو مقامات پر انسان کو براہ راست خطاب فرمایا ہے ۔ایک سورہ انفطار آیات 6 تا 8 اور دوسرا سورہ انشقاق آیت 6 میں ۔اس خطاب الٰہیہ کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو متنبہ و خبر دار کیا ہے کہ اسے کس چیز نے راہ راست سے بہکا دیا ہے حالانکہ اسے اپنی تخلیق پر نظر ڈال لینی چاہیے کہ کس طرح احسن طریقے سے کی گئی ہے ۔اسے یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ایک دن اس نے اپنے رب کریم سے ملنا ہے ۔اب یہ اس پر ہے کہ وہ کون سا طرز عمل اختیار کرتا ہے ۔

جہاں تک لفظ انسان کا تعلق ہے تو یہ اُنس سے بھی ماخوذ ہے اور نسان سے بھی ۔اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے اور گرد و نواح میں پھیلے ہوئے انسانوں کے سمندر کا جائزہ لیا جائے تو انسانی زندگی کے دائرے اُنس اور نسیان کے گرد پھیلے ہوئے ہیں ۔کہیں اُنس کی حکمرانی ہے اور کہیں نسان کے پھیریرے لہرا رہے ہیں ۔جب کوئی انسان اللہ عز و جل اور اس کے محبوب رحمتہ اللعالمین ﷺ سے اُنس و پیار کرتا اور دنیا کو طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے ۔قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی زندگی کے شب و روز کو ڈھال لیتا ہے تو اس کے وجود میں خوشبوئیں پھیل جاتی ہیں ۔گلاب مسکرانے لگتے ہیں، بہاریں رقص کرنے لگتی ہیں ۔معرفت الٰہیہ اور عشق رسول کریم ﷺ کے سرمدی و ابدی نغمات اس پر کیف و سرور طاری کر دیتے ہیں ۔اس کی روح، دل، ذہن خیالات ،سانس اور ایک ایک لمحہ حیات منور و روشن و آباد ہو جاتا ہے ۔بظاہر وہ دنیا کی پگڈنڈیوں، راہگزر اور شاہراہوں پر چلتا نظر آتا ہے لیکن حقیقتاً جنت میں محوِ خرام ہوتا ہے ۔جلوت میں کچے پکے چھوٹے سے مکان میں رہائش پذیر ہوتا ہے لیکن خلوت میں وہ جنت کے محلّہ سراؤں میں مقیم ہوتا ہے اور جب انسان دنیا سے اُنس و محبت کا ناطہ جوڑتا ہے اور آخرت کو حوالہ نسیاں کرتا ہے تو بظاہر اگر چہ وہ دنیا کی خوبصورت سڑکوں اور راستوں پر رواں دواں ہوتا ہے لیکن اصلاً دوزخ کے جلتے راستوں پر قدم بڑھا رہا ہوتا ہے ۔ظاہری طور پر عالیشان بنگلوں اور کوٹھیوں میں رہائش پذیر ہوتا ہے

لیکن حقیقت میں جہنم کے مہیب وَمہیب شعلوں میں رہ رہا ہوتا ہے ۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان بیک وقت دنیا و آخرت دونوں سے اُنس و محبت رکھے یا دونوں کو فراموش کر دے ۔ اسے ان دونوں میں سے کسی ایک کا ہو کر رہنا پڑتا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ جو آخرت سے اُنس رکھتا ہے اسے توشہ آخرت اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کے فرمان کے مطابق اسی دنیا سے لینا پڑتا ہے لیکن جو صرف دنیا سے محبت کرتا ہے وہ صرف دنیا کے لئے سب کچھ حاصل کرتا ہے اور حقائق گواہ ہیں کہ انسانوں کی اکثریت زیادہ تر نسیان کی شکار ہے اور ہمہ وقت دنیا کے جھمیلوں میں اس قدر مگن و محو ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ یاد ہی نہیں ہے اور بھول جاتی ہے کہ وہ ہر آن و ہر لمحہ آزمائش کی سولی پر لٹکی ہوئی ہے اور جس حالت میں وہ زندگی بسر کر رہی ہے اسی کا مستقبل بننے والا ہے صاحب حال بزرگ حضرت فضل شاہ قطب عالم نور والے فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی روشنی میں جب انسان پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کی شخصیت کے تین روپ بڑے نمایاں نظر آتے ہیں ۔

اول: تمام انسان اہلیت کے حساب سے برابر ہیں یعنی راہ حق پر گامزن ہونے کے لئے سب کو یکساں مواقع حاصل ہیں اور سب کو پاک پیدا کیا گیا ہے لیکن جب ان میں سے کوئی مجرم اور دوسرا نیک بنتا ہے تو پھر وہ برابر نہیں ہیں ۔

دوم: انسان کو بغیر ضرورت کے پیدا کیا ہے ۔ کھانا ، پینا ، سونا ، جاگنا ، ملنا جلنا ، نیکوں کی صحبت اختیار کرنا ، بروں سے اجتناب کرنا حکم الٰہی ہے یہ ضرورت نہیں اور

سوم: ہر انسان اپنے کردار و اعمال کا خود ہی جوابدہ ہے ۔ اس لئے باپ کی بزرگی بیٹے کی نافرمانی کا مداوا اور علاج نہیں بن سکتی ۔ اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت و پیغمبری ان کے بیٹے کنعان کے کفر کی پاداش کے آڑے نہ آ سکی ۔ لہٰذا جس کے اعمال صالح نہ ہوں وہ صالح کا اہل نہیں ہوتا ۔

ان تین رویوں کے علاوہ مجموعہ اضداد ہونے کی بناء پر ہر انسان کی سرشت میں اللہ

تبارک وتعالیٰ نے نیکی اور بدی کی دو چنگاریاں بھی رکھی ہوئی ہیں۔اب یہ اس کا اپنا طرزِ عمل ہے کہ وہ ان میں سے کس چنگاری کو اپنی حیات ومستعار میں ہوا دیتا ہے۔اگر وہ نیکی کی چنگاری کو شعلہ زن کرتا ہے تو وہ انسانیت سے آدمیت اور آدمیت سے بشریت کی طرف پرواز کرتا ہے۔ یہی انسانی معراج ہے اور اگر وہ بدی کی آگ بھڑکاتا ہے تو وہ انسانیت سے حیوانیت بلکہ اس سے بھی ابتر صورت اختیار کرلیتا ہے۔بدی کی صفات سے پاک ہونے کے لئے بری صحبت سے جو کہ زہر ہلاہل ہے بچنا ناگزیر ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ہمیشہ ذلت وخسران اور تباہی ہے۔اس لئے جس طرح انسان کے لئے نیکی ضروری شے ہے اس سے زیادہ محبت نیکاں لازمی ہے۔حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

یعنی نیک کی صحبت تجھے نیک بنائے گی اور بد بخت کی صحبت تجھے بد بخت بنائے گی۔

قدم قدم پر بکھرے ہوئے واقعات شاہد ہیں کہ نیک و بد انسان جب مصائب وآلام کے پتھروں تلے دبتے ہیں تو اس ہنگام نیک انسان کے اندر جو جذبہ نیکی اور فطرت سلیمہ ہے اس سے تقاضا کرتی ہے کہ اس کڑے وقت میں، سخت مقام پر، عالم خوف میں جب مایوسی کے گرداب اسے گھیرنے کے لئے بڑھتے ہیں تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔اسی کے فضل وکرم پر اعتماد کرے، اسی کو اپنا ملجا و ماویٰ اور جائے پناہ قرار دے اور اپنی امید کی نظریں اس کی رحمت پر جمائے رکھے لہٰذا وہ اپنے رب کریم کو ہی فریادرس اور دستگیر سمجھتا ہے۔اسی سے مدد طلب کرتا ہے اسی کی عبادت کرتا ہے اور صبر سے کام لیتا ہے۔لہٰذا دکھ راحت میں بدل جاتا ہے۔انعاماتِ خداوندی سے اسے لاد دیا جاتا ہے۔لیکن جب کوئی انسان بدی کی چنگاری کو اپنے قول وفعل کے آنگن میں روشن کرلیتا ہے تو دنیاوی لذات وشہوات سے محبت کرنے لگتا ہے۔فحش کاموں میں اسے مزہ آتا ہے اور ان کو ترک کرنا اس پر انتہائی دشوار وگراں ہوتا ہے لہٰذا وہ عبادت الٰہیہ کی

مشقتوں سے متنفر ہوتا ہے۔ایسے انسان کو وہ شخص بہت برا لگتا ہے جو اسے برے کاموں سے منع کرتا اور نیک کام کرنے کو کہتا ہے۔ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ قوتوں اور نعمتوں کی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے اور جب وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مشکلات و مصائب کے بھنور میں پھنس جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے نجات دیتا ہے تاکہ وہ تائب ہو کر رجوع الی اللہ کرے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اس کے مادی اسباب اور اس کی چالاکی و ہوشیاری کی وجہ سے اسے چھٹکارا ملا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونے کے بجائے اپنی خواہشات کے تراشیدہ بتوں کی پرستش میں مزید مگن ہو جاتا ہے۔

سورہ المعارج آیت 19 تا 21 میں انسان کے تین عیوب کا ذکر ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔جب اسے تکلیف پہنچے سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل"۔ان آیات مبارکہ کی تفسیر میں حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں۔ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے۔ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لئے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لئے حلال نہیں ہوتیں۔اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لئے وقف رہتی ہیں۔خواہ دولت رشوت سے ملے یا لوٹ کھسوٹ سے ملے، چوری اور رہزنی سے ملے قوم کی غذائی اجناس کو سمگل کر کے ملے یا قوم اور وطن سے غداری کر کے ملے وہ باز نہیں آتا۔

دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ بہت گھبرا جانے والا ہے۔جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے افق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اوسان خطا ہو جاتے ہیں، امید کی کرن اسے نظر نہیں آتی۔

تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس اور سخت بخیل ہے۔کسی ملی یا قومی مقصد کے لئے، کسی نادار اور فقیر کی امداد کے لئے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

ایک شخص جس میں حرص اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو کہ حلال وحرام کی تمیز سے بھی قاصر ہو۔ جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مالدار ہو تو کنجوس بن جائے تو کیا ایسے شخص کا وجود اپنے ملک وملت کے لئے باعث ننگ وعار نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی بستی والے بھی نفرت کرتے ہیں اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار رہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے بھی وبال جان بن جاتا ہے۔

لیکن انسانی حالات گواہ ہیں کہ ایسی فطری کمزوریوں کا پیکر جب بتوفیق ایز دی بدی سے منہ موڑ کر نیکی کی راہ اختیار کرتا ہے اور اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے۔ اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے اور اپنی زندگی کے شب وروز قرآن کریم کے پیش کئے ہوئے قالب میں ڈھال لیتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ وہ حریص نہیں رہتا بلکہ غنی ہو جاتا ہے۔ اس کا دل غنی ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں۔ مصائب کے تندوتیز طوفان جب اس سے آکر ٹکراتے ہیں تو اسے فولاد کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں۔ ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیا بار ہو جاتا ہے۔ سیل حوادث سے وہ گھبراتا نہیں بلکہ اس وقت اس کی خفتہ توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ وہ ان سے فرار اختیار نہیں کرتا بلکہ شیروں کی طرح اس پر جھپٹتا ہے اور جب اس کی خوشحالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک کہ وہ کسی کی تکلیف دور نہ کردے اسے چین نہیں آتا۔

ہر انسانی زندگی میں نیکی اور بدی کے دو تیز رفتار دریا بالکل ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں۔ بسا اوقات انسان اپنی دانست میں نیکی سمجھ کر کوئی عمل کر رہا ہوتا ہے لیکن حقیقتاً وہ گناہ ہوتا ہے۔ بقول علامہ غلام رسول سعیدی انسان اس وقت بے جھجک گناہ کرتا ہے جب وہ حرص شہوت یا غضب سے بے قابو ہو جاتا ہے ایسے وقت میں صرف قرآن حکیم اور تعلیمات نبوی ﷺ سے ہی

نیکی و بدی، صالح و غیر صالح اعمال، اعلیٰ و ناقص اقوال میں خطِ امتیاز کھینچا جا سکتا ہے۔ اس سے خوفِ خدا پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کی بے راہروی اور بدی کے راستے پر گامزن ہونے سے قبل ہی اس پر نیکی و ہدایت کی راہ روشن و تاباں کر دیتا ہے۔ لہٰذا معصیت سے بچ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کے روپہلی چراغ اس کے سینے میں جھلملانے لگتے ہیں۔

نیکی اور بدی ہر لحظہ و آن انسان کو دعوت دیتی رہتی ہیں۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول کریم ﷺ کی دعوتِ خیر ہوتی ہے اور دوسری طرف بدی کے علمبردار شیطان کی دعوتِ خبیثہ۔ اب یہ انسان کی صوابدید پر ہے کہ وہ ان دونوں میں سے کس دعوت پر لبیک کہتا ہے۔ اس میں جبر نہیں ہے لیکن چونکہ انسان اپنی فطرت سے سست اور غافل ہے۔ اسے عبادات اور معاملات کے طریقے معلوم بھی ہو جائیں تو پھر بھی وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے بے عملی اور بد عملی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب وہ اپنی چاہت و خواہش کے مطابق کوئی کام کرنے لگتا ہے تو اسے اپنے وجود کے اندر موجود تین مدعیوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ تین مدعی قلب، نفس اور شیطان ہیں۔ جب قلب کسی عملِ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو نفسِ امارہ مانع ہوتا ہے تو ان دونوں میں جھگڑا ہونے لگتا ہے اور شیطان کی طرف یہ مقدمہ فیصلہ کے لئے لے جاتے ہیں۔ شیطان ان کے محاکمہ میں امر بالسوء کرتا ہے۔ اگر شیطان کسی عملِ شر کی طرف آمادہ ہوتا ہے تو قلب مانع ہوتا ہے اور شیطان ضد کرتا ہے کہ وہ کام کیا جائے تو ایسی صورت میں فیصلہ کے لئے نفس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور نفس شیطان کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ اس اعتبار سے قلب کا خصم شیطان اور قاضی نفس بنتا ہے لہٰذا نفس اور شیطان دونوں کی بات ماننے سے گریزاں رہنا چاہیے۔

انسان چونکہ سفلی صفات کا حامل ہے لہٰذا وہ ہمہ وقت نفس و شیطان کے نرغے میں رہتا ہے جو اسے ہر لحظہ پابجولاں رکھنے کی تگ و دو میں رہتے ہیں اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ حضرت سلطان باھوؒ نے اہلِ نفس کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے کہ اس پر ہمیشہ بے اطمینانی اور پریشانی

محیط رہتی ہے۔اگر اس کو سارا جہان بھی دے دیا جائے تو پھر بھی اس کی حرص پوری نہیں ہوتی۔ نفس کا مقام دل کے قریب ہوتا ہے اس لئے وہ متعدد احراص حرص و ہوا، حسد، بغض، نفرت اور شہوت وغیرہ میں ملوث ہو جاتا ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے مزید کی تمنا رکھنا حرص ہے۔اشیاء کی طلب حرص ہے۔معطیٰ مطلق کی طرف لگنا حرص سے پاک رہنے کا راز ہے۔ جہاں حرص ہو وہاں ہوئی کے جھونکے چلتے رہتے ہیں اور ہوئی کی موجودگی میں صراطِ مستقیم سے بھٹکنا ضروری ہے۔حرص ذاتی اور خلوت کا مقام رکھتی ہے۔ہوئی کی حیثیت صفاتی اور جلوت کی ہوتی ہے۔لہٰذا ایسا دل جو حرص و ہوئی کا شکار ہو شیطان کا مسکن ہوتا ہے۔ جب دل مریض اور روح بے راہ ہو تو نفس ہر لحظہ اپنی چاہتوں کے حصول میں کوشاں رہتا ہے۔اس طرح انسان اسفل السافلین کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

نفس ہر دم از درونم در کمین　　　از ہمہ مردم تبر در مکر و کیں

یعنی میرے اندر نفس ہر وقت گھات میں ہے۔مکر اور کینہ میں سب انسانوں سے بدتر ہے اور نفس کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ ظاہری علم پڑھنے اور ظاہری ریاضت کرنے سے بہت خوش اور موٹا ہوتا ہے۔چونکہ نفس وجودِ باطن میں ہوتا ہے اس لئے اسے باطنی ریاضت جلا کر خاک کر دیتی ہے۔اس لئے جب تک انسان اپنے نفس کے سانپ کا سر نہیں کچلتا اس وقت تک وہ شیطان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔لہٰذا نفس کا گلا دبا دینا چاہیے۔اسے بھوکا ہلاک کر دینا چاہیے۔اسے کم خوابی سے نڈھال و مردہ بنا دینا چاہیے۔بزرگانِ دین نے نفس کو کچل دینے سے یہ مراد لی ہے کہ وہ شرک، کفر، تکبر اور دیگر بری خصلتیں ترک کر دے۔

عریانیت اور فحاشی کا سیلاب

(محمد مکرم محی الدین)

اس وقت پوری دنیا میں بڑے منظم انداز کے ساتھ عریانیت کو فروغ دیا جارہا ہے، پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا، ہر ایک دوسرے پر بازی لے جانے کیلئے کوشش کررہے ہیں، اس مسابقت کی وجہ سے تباہی، دنیاوالوں کا حصہ اور مقدر بن چکی ہے، دنیاوالے اب اس برائی کے نہ صرف عادی وخوگر بن چکے ہیں بلکہ یہ جز ثومہ، ان کی طبیعت وفطرت کا حصہ بن رہا ہے۔

ایسی بات نہیں کہ عریانیت کے فروغ سے میڈیا کے علمبرداروں کا مقصود صرف انسانی ہوس اور خواہشاتِ نفسانی کی تسکین ہے، بلکہ میڈیا کے سرغنوں کا ٹارگٹ اور نشانہ وہ بیش بہا اور لاقیمتی پونجی ہے، جو انسانیت کو انسانیت کے دائرے میں روکے رکھتی ہے اور جب وہ ہاتھ سے چلی جائے تو انسان بلاتوقف جانوروں اور حیوانوں کے ریوڑوں سے جاملتا ہے۔

اسلام نے عریانیت کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا ہے، ستر حجاب کی انتہاء یہ کہ مشہور نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم، ایک دفعہ آپ ﷺ کے یہاں تشریف لائے، آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات، حضرت اُم سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ کو پردہ فرمانے کا حکم فرمایا، ازواج مطہرات کو تعجب ہوا کہ نابینا انسان کے سامنے پردہ کیسا! عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو کیا تم بھی اندھی ہوگئی ہو، کہ وہ تمہیں نظر نہیں آتے؟

اسلام نے ان چور دروازوں کو روا ہی نہیں رکھا کہ جہاں سے عریانیت کسی معاشرہ میں درآتی ہے، عورتوں کو اپنی چاردیواری ہی میں رہنے کی تلقین کی ہے کہ یہی ان کے حق میں عافیت ہے۔ بلاضرورت اپنے مرکز سے نہ ہٹنے کی تعلیم وتلقین کی حد یہ کہ نماز جیسی عظیم الشان عبادت کے معاملہ میں بھی مسجد کے بجائے گھر ہی کو مصلّٰی گاہ بنانے کو بہتر بتلایا گیا ہے، کسی ضرورت سے باہر نکلنا ہو تو ستر وحجاب کے متعلقہ قوانین کی رعایت لازم قرار دی گئی ہے، ایسی کسی حرکت سے

منع کیا گیا ہے جو اجنبی مردوں کی کشش کا باعث بنے، بوڑھی اور سن رسیدہ عورتوں کیلئے پردہ کے معاملہ میں شریعت نے تخفیف رکھی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں۔

مستورات کیلئے سادہ لباس اختیار کرنے کی عادت اس شدت کے ساتھ ڈلوائی گئی کہ گھر کی چاردیواری کے معاملہ میں لچک گوارا نہیں کی گئی، حضرت صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ: صدیق اکبرؓ ایک دفعہ اپنی بیٹی حضرت اسماءؓ کے یہاں داخل ہوئے، حضرت اسماءؓ نسبتاً باریک کپڑے زیب تن کی ہوئی تھیں، صدیق اکبرؓ نے ان سے رُخ پھیر لیا اور فرمایا: بیٹی! اسماء، جب عورت سن بلوغت کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے بدن سے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے کچھ نہیں نظر آنا چاہیے۔(ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ:۳۷۷)

خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا طرزِ عمل یہ کہ آپؓ کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰنؓ ایک دفعہ آپؓ سے ملاقات کیلئے آئیں، ان کے سر پر باریک دوپٹہ تھا، اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے ان سے اس دوپٹہ کو لیا اور دو حصوں میں پھاڑ دیا، پھر اپنے پاس سے موٹا دوپٹہ اُڑھایا(مشکوٰۃ)

آج کی تہذیب، عورتوں کو عریانیت پر نہ صرف اُبھارتی اور اُکساتی ہے بلکہ ایسی بدکار عورتوں کو سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے، عریانیت کی یہ فضاء خود ان عورتوں اور ان کے ہم نواؤں بلکہ پوری انسانی برادری کے حق میں تباہ کن ثابت ہو رہی ہے، عصمتوں پر ڈاکہ، آپس میں قتل و خونریزیاں، صحت و دولت کی بربادی، برسرِعام عورتوں کا اغواء وغیرہ وغیرہ، ان سارے جرائم کا تعلق اسی بڑھتی ہوئی عریانیت سے ہے۔

اسلام نے عریانیت کی رتی برابر بھی تائید یا ہمت افزائی نہیں کی بلکہ ایسی بے حیاء عورتوں کو لعنت کا اور نارِ جہنم کا پروانہ دیا ہے: چند احادیث ملاحظہ ہوں:

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا: "میری اُمت کے آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے وہ مساجد کے دروازوں پر اُتریں گے، ان کی عورتیں لباس پہن کر بھی بے لباس ہوں گی، ان عورتوں کے

سروں پر کمزور اُونٹ کے کوہانوں کی طرح کوئی چیز ہوگی، ان پر لعنت کرو، کیونکہ وہ ملعونہ ہیں (مسند احمد)اس حدیث میں پہلے مردوں کی صفت اس لئے بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگ مسلمان اور نمازی ہونے کے باوجود اپنی عورتوں کو نیم برہنہ لباس پہننے سے نہیں روکیں گے،اس لئے مرد نہیں بلکہ،مردوں کی طرح کسی جنس کے افراد ہونگے،حقیقی مرد تو وہ ہے جو اپنی عورتوں کو بے حیائی کے کاموں سے روکے،اپنی عورتوں کے ستر کو غیر مردوں کی نگاہوں سے بچائے، نہ یہ کہ وہ خود اپنی خواتین کو باریک اور چست لباس اور کپڑے لا کردے جن میں ان کا جسم صاف جھلکے، وہ لباس پہننے کے باوجود ننگی رہیں کہ لباس کا جو مقصد ستر پوشی ہے،وہ حاصل نہ ہو۔

عریانیت اور برہنگی ،نجی،شخصی اور تنہا ایک گناہ نہیں بلکہ متعدی اور کئی ایک گناہوں کا اذیت ناک مجموعہ ہے،خدا اور اس کے رسول ﷺ کو ناراض کرنا ہے، انسانی اور اخلاقی قدروں کو پامال کرنا ہے، بے حیائی ،فحاشی اور بدکاری کی دعوت دینا ہے اور ان کو فروغ دینا ہے،معاشرہ میں گندگی ،اخلاقی انارکی کو عام کرنا ہے،وغیرہ وغیرہ، غرض ،عریانیت ،نفسانی ،جذباتی ،جنسی ، اخلاقی نوعیت کے تمام گناہوں میں بنیادی اور اوّلین کردار ادا کرتی ہے، آخرت میں اس پر جس قدر سنگین سے سنگین تر سزا تجویز ہوسکتی ہے اپنی جگہ بجا ہے۔

عریانیت وفحاشی کی سزا دریافت ہوئی ہے ،وہ ہے موت کا پروانہ! جیتے جی انسان مرجاتا ہے معاشرہ اور برادری سے کٹ جاتا ہے،علیحدہ کردیا جاتا ہے، یہ سزا اور بدترین سزا مرض ایڈز ہے،اس مرض کا وقوع نہ صرف یہ کہ عین قرین عقل وانصاف ہے بلکہ تکوینی نظام کے تحت اس کا واقع اور ظاہر ہونا عین مطابق ہے،حضور رحمت اللعالمین ﷺ کی زبان اقدس سے نکلے ہوئے یہ کلمات آج کے معاشرے پر کس قدر سچ ثابت ہورہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:" جب عریانی اور فحاشی عام ہوجائے گی تو لوگوں میں ایسی ایسی بیماریاں پیدا ہونگی جن کے متعلق نہ تم نے پہلے کبھی سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباؤاجداد نے۔" (سنن ابن ماجہ:۴۰۱۹)تقریباً نوے کی دہائی کے شروع میں ایڈز کے مریض کی تشخیص کی گئی،اس کے بعد ایڈز کے مریضوں میں اضافہ ہوتا گیا۔

وسیع پیمانہ پر سروے کروائے گئے ایڈز کے متاثرین کی تعداد بڑھتی ہی جارہی ہے۔ایڈز سے متاثر ہو کر دنیا سے چل بسنے والوں کی تعداد بھی بہت لرزہ خیز ہے۔نکولس ڈی سٹوف کے مطابق اگر ایڈز کی موجودہ عالمی رفتار برقرار رہے تو مجموعی طور پر پوری دنیا میں ۲۰۲۰ء تک ایڈز سے مرنے والوں کی تعداد ۷۰ ملین تک پہنچ جائے گی۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس تباہ کن صورت حال پر دنیا کے انسانوں کی آنکھیں کھل جاتیں اور قوم کا مردہ ضمیر جاگ جاتا اور تمام مل کر فحاشی اور عریانیت کے ختم کرنے پر کمربستہ ہو جاتے اور کم از کم اس سلسلہ میں اسلام کی سراپا رحمت تعلیمات کو اپنا لیا جاتا اور انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کی خاطر سرکشی اور اسلام دشمنی کو پس پشت ڈال دیا جاتا ،مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ بے حیائی اور برہنگی کو ماضی کی تاریخ بنا دینے کی آواز کوئی بلند کرتا، معاشروں کو صاف ستھرا، پاکیزہ اور عریانیت سے پاک بنانے کی بات کوئی نہیں کرتا ،بات اگر کی جاتی ہے ایڈز سے مدافعت کی۔ایڈز کے جڑ سے خاتمہ کی بات کوئی نہیں کرتا،ایڈز سے مدافعت کی تجویز معنی ہے یہ ایسا ہے کہ بھڑکتی ہوئی جان لیوا آگ میں خود ساختہ آتش پوش پہن کر خود کو جھونک دینے کا مشورہ دیا جائے۔اس کا مؤثر کامیاب اور دانشمندانہ حل یہ ہوگا کہ اس چیز کے قریب بھی نہ پھٹکا جائے، ایسے خطرے سے نبرد آزمائی کا ہرگز ارادہ نہ کیا جائے ،جس کا جان لیوا ہونا یا کم از کم سخت ضرر رساں ہونا ، دو اور دو چار کی طرح یقینی ہے،قرآن پاک کی تعلیم یہی ہے، دین وشریعت کا تقاضا یہی ہے، یہی عقل سلیم کی اپیل بھی ہے۔

سورۂ اعراف میں ہے: ’’اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ، خواہ اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ ہوں ۔۔۔اس کا تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔‘‘(سورۂ الانعام:۱۵۲) ’’اور زنا کے قریب ہی نہ پھٹکو، بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بری راہ ہے۔‘‘(بنی اسرائیل:۳۲)

ضرورت ہے قرآن کی ان انسانیت نواز تعلیمات پر عمل کرنے کی ،کم از کم انسانی بنیادوں پر اسلامی معاشرت کو اپنانے اور اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔

اقبالؒ کا فلسفۂ خیر و شر

(خلیفہ عبدالحکیم)

کسی مذہب یا فلسفے میں خیر و شر کا نظریہ ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان فطرتاً خیر کا طالب اور شر سے گریزاں ہے۔ سقراط کی یہ تعلیم تھی کہ کوئی شخص بدی کو بدی جان کر اس کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ہر قسم کی بدی کا مرتکب اس کو کسی نہ کسی طرح کی بھلائی ہی سمجھ کر کرتا ہے۔ بدی کو بھلائی سمجھنا دراصل ہر قسم کی غلط کاری کی بنیاد ہے اور بدی کا ارتکاب صحیح علم کے نہ ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر قسم کی بداخلاقی درحقیقت جہالت کا نتیجہ ہے۔ نیکی علم سے اور بدی جہل سے سرزد ہوتی ہے۔ اس طرح لذت اور تسکین کی خواہش بھی فطری ہے۔ ایک ولی بھی آرزو کی تسکین چاہتا ہے اور ایک چور بھی۔ انسانوں میں فرق صرف اس سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس چیز سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ عادل کو عدل سے اور رحیم کو رحم میں مزا آتا ہے، عالم علم سے لذت اندوز ہوتا ہے اور ظالم ظلم سے۔ چنگیز خان کے سوانح حیات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے فوجی سرداروں اور درباریوں سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ کہ انسان کو سب سے زیادہ لذت کس موقع پر اور کس چیز سے حاصل ہوتی ہے؟ اپنے اپنے مزاج کے مطابق مختلف سرداروں نے اس کا مختلف جواب دیا۔ کسی نے حصولِ عزت کا ذکر کیا، کسی نے نشۂ فتوحات کا اور کسی نے جسمانی لذتوں کا نقشہ کھینچا۔ سب کے جوابات سن کر چنگیز خان نے کہا کہ تم لوگوں نے جتنی لذتیں بیان کی ہیں وہ سب ادنیٰ درجے کی ہیں اور کسی میں انبساط کی وہ شدت نہیں جو اس موقع پر پیدا ہوتی ہے کہ دشمن کا کٹا ہوا سر تمہارے قدموں کے سامنے پڑا ہوا اور اس کی بیوی بچوں کی آہ و زاری اور نالۂ فغان جو سب نعمتوں سے زیادہ دل کش ہے، سنائی دے رہی ہو۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ انسان کا لذت و الم اور خیر و شر کا معیار کس قدر مختلف ہوتا ہے۔ کسی مذہب کا اندازہ بھی اسی سے ہوسکتا ہے کہ اس کی تعلیم میں خیر و شر کا کیا مفہوم ہے۔ کسی فرد کا نظریۂ حیات بھی حقیقت میں اس چیز کا نام ہے کہ وہ کس بات کو خیر اور کس کو شر سمجھتا ہے۔ آیئے! اقبالؒ کے فلسفہ خیر و شر کی تمہید کے طور پر بڑے بڑے

ادیان اور مشہور فلاسفہ کی تعلیم پر ایک سرسری نظر ڈالیں تا کہ اس تبصرے کے بعد اقبالؒ کے نظریۂ خیر وشر پر روشنی پڑ سکے اور اس کی امتیازی خصوصیت معلوم ہو سکے۔ بدھ مت کو لیجئے، گوتم بدھ ایک چھوٹی سی ریاست کے شہزادے تھے۔ زمانہ بلوغ تک بدھ کو بڑے ناز و نعم میں رکھا گیا اور اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ وہ خود بھی ہر قسم کے شر سے محفوظ رہے اور دوسرے انسانوں کی بھی کسی قسم کی مصیبت اس کی آنکھوں کے سامنے نہ آئے۔ اس کا شعور خیر محض سے آشنا اور شر و رو آفات سے بے گانہ رہا۔ لیکن یہ قدغن کب تک کام دے سکتی تھی؟ جب زندگی کے حقائق یک بیک اس کے سامنے آئے، اس نے موت، بیماری اور بڑھاپے کا مشاہدہ کیا تو وہ گھبرا گیا اور سوچنے لگا کہ یہ سب کچھ کیوں ہے اور اس سے چھٹکارے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے؟ ادیان اور فلسفے اس کو مطمئن نہ کر سکے۔ وہ آزادانہ فکر تحقیق اور ذاتی تجربے سے اس نتیجے پر پہنچا جس پر غالب نے یوں کہا:

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

مہاتما بدھ نے کہا کہ خالی موت سے بھی نجات نہ ہو سکے گی جب تک کہ تمام زندگی کی جڑ یعنی آرزو کا قلع قمع نہ کیا جائے۔ جب تک کسی قسم کی بھی آرزو باقی رہے گی وہ ضرور زندگی کی کسی شکل میں صورت پذیر ہوگی اور یہ صورت پذیری لازماً باعثِ الم ہوگی۔ زندگی کی کوئی چیز قابل اعتنا نہیں ہے۔ فنائے مطلق کے بغیر نجات محال ہے۔

اقبالؒ کے ہاں خیر وشر کا پیمانہ لذت والم کا پیمانہ نہیں۔ اس کے ہاں جمود سب سے بڑا شر ہے اور حرکت میں برکت ہے۔ اس کو زندگی کے جمال کے ساتھ اس کا جلال بھی قبول ہے۔ دلبری کے ساتھ ساتھ اس کو قاہری بھی پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ" کی صفت اس کے افکار اور تاثرات میں سمائی اور سموئی ہوئی ہے۔ اقبالؒ کے ہاں خیر، لذت اور سکون کے ہم معنی چیز نہیں، کیونکہ زندگی اگر ایک حالت پر قائم ہو جائے تو وہ خیر بھی جمود کی وجہ سے شر بن جاتا ہے۔ عام مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ نیک آدمی اعمال حسنہ کا اجر حاصل کر کے جنت ابدی میں مطمئن ہو جائے گا۔ جہاں زندگی کا اضطراب ختم ہو جاتا ہے، وہاں ترقی کی

ضرورت اور گنجائش نہیں رہتی ، مقاصد آفرینی اور ان کے حصول کی کوشش کا کوئی سوال نہیں رہتا۔بعض صوفیاء جو جنت کے عام تخیل سے اوپر گئے ہیں ان کے ہاں خیر مطلق واصل باللہ ہوجانا ہے، جہاں سفرِحیات ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ انسان اپنی آخری منزل مقصود پر پہنچ گیا ہے۔اقبالؒ کانظریۂ جنت جواس کےنظریۂ خیروشر کا آئینہ ہے،لذت پرستوں،تن آسانوں اورسکون پسندوں سے بھی الگ ہےاوروا صل باللہ ہونے والےصوفیوں سےبھی جداگانہ ہے۔

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلی اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

اس کے ہاں خیر کاتصوّر یہ ہے کہ زندگی اپنے ہی ممکنات کوظہور میں لاتی رہےاورخوب سےخوب تر کی طرف بڑھتی جائے۔وہ باغ وشراب کی جنت میں پہنچ کرمطمئن نہیں ہوسکتا۔

میرے طالب علمی کے زمانے میں ایک مرتبہ علامہ اقبالؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں بتاؤں کہ انسان کس وقت مرجاتا ہے۔کسی آدمی کواس وقت مردہ شمار کرنا چاہیے، جب اس میں نئے افکارکی قبولیت کی صلاحیت جاتی رہےاوراس کےطرزِفکراورطرزِعمل میں کوئی تبدیلی ممکن نہ رہے۔ایسی حالت میں زندگی، زندگی نہیں بلکہ مادّے کی طرح محض تکرارِعمل بن جاتی ہے۔نورو ظلمت، یقین وگمان، خیر وشراورعلم وجہل کی کشاکش ہی ہے جس سے زندگی کا ارتقاء ہوتا ہے۔زندگی کا جوہراصلی طلب اورکوشش ہےاوروہ اسی حالت میں باقی رہ سکتی ہے کہ تلاش حق میں ہمیشہ مشغول رہا جائے۔زندگی مزاحمتوں پر مسلسل غلبہ حاصل کرنے کا نام ہے۔اگر شر یا مزاحمت والم کاوجود نہ ہوتو خیر بھی ختم ہوجائے،زندگی خیروشر کےمحاربے کانام ہے۔تمام سیرت سازی اورروح پروری اسی پیکارکی رہینِ منت ہے۔جو یہ پوچھتا ہے کہ زندگی میں شر کیوں ہے وہ حقیقت میں یہ پوچھ رہا ہے کہ زندگی، زندگی کیوں ہے۔اقبالؒ کہتے ہیں کہ اگر زلیخا کاشر نہ ہوتو یوسف کے جوہر کیسے کھلیں،اگر آتش نمرود نہ ہوتو باغِ خلیلؑ میں بہار کہاں سے آتی،اگر فرعون کاتکبر نہ ہوتا تو موسیٰؑ کس طرح کلیم اللہ بنتے،اگر طوفان نہ ہوتے، شناوری کہاں سے ترقی پاتی،اگر اندیشۂ ہجراں نہ ہوتو لذت وصال کہاں! اقبالؒ کےنزدیک اگر شیطان نہ ہوتا تو جہاں بالکل بےلذت اور بےذوق رہ جاتا۔زندگی کی اصلی بھلائیاں متاعِ درداورامکانِ نقصان ہی سےظہور میں آتی ہیں۔

اسلام کا عروج قرآن سے وابستہ ہے

(ڈاکٹر اختر احمد)

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ "وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ سب دینوں پر غالب کرے۔ اگرچہ مشرک برا منائیں"۔(الصّف۔۹)

اسلام کا تمام ادیان پر غلبہ اللہ تعالیٰ کی منشا ہے اس سلسلے میں ہم اگر احادیث کا جائزہ لیں تو ان سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ اسلام دنیا کے کونے کونے تک پہنچ جائے گا اور کوئی گھر ایسا نہ ہوگا جس میں اسلام داخل نہ ہو گیا ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ میرے لیے مشرق اور مغرب کی زمین لپیٹ دی گئی ہے۔ میرا لایا ہوا دین ان تمام لوگوں تک پہنچے گا جہاں دن رات پہنچتے ہیں۔ کوئی کچا پکا گھر ایسا نہ رہے گا جہاں دین اسلام داخل نہ ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اسلام غالب ہونے کے لیے آیا ہے کوئی اسے مغلوب نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اگر دنیا کی تمام مذاہب کی مقدس کتابوں (انجیل، تورات، زبور) کا مطالعہ کریں تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ ان میں بھی اسلام کی صداقت اور اس کے غلبہ کا ذکر ہے۔

ہے یہ پندرھویں صدی کے ماتھے پر رقم
دین مستقبل اہل جہاں اسلام ہے

اس کے علاوہ اگر ہم مختلف مذاہب کے روحانی اور دنیاوی طور پر اعلیٰ مقام رکھنے والے دانشوروں اور مورخین کی تحریرات اور آرا کا مطالعہ کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ذہنی صلاحیتیں دی تھیں اور ان کے دل تعصب اور تنگ نظری سے دور تھے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی تعلیم بہترین ہے قرآن میں لوگوں کے تمام مسائل کا حل ہے اور مستقبل کا مذہب اسلام ہے۔ اس کے علاوہ اگر ہم اسلام کے پھیلاؤ کا جائزہ لیں تو آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے سب سے تیزی سے پھیلنے والا دین ہے۔ اسلام دنیا کی سب سے بڑی سچائی اور حقیقت ہے اسلام کے تیزی سے

پھیلنے کے پیش نظر مفکرین اور دانشوروں نے ٹائم فریم بھی دے دیا ہے کہ فلاں ملک میں اس سال اور فلاں ملک میں اس سال مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی۔ آج سے کئی سال پہلے ایک مفکر نے پیش گوئی کی تھی کہ آج یورپ میں پچاس ملین سے زائد مسلمان آباد ہیں اس امر کے واضح اشارے ہیں کہ اللہ اسلام کو یورپ میں سر بلندی عطا فرمائیں گے بغیر کسی تلوار، بغیر کسی بندوق اور بغیر کسی جنگ کے میں دیکھ رہا ہوں کہ محض چند دہائیوں میں مسلمان یورپ کی اکثریتی آبادی ہوں گے۔ ابھی اس پیش گوئی کی بازگشت مکمل طور پر تھمی بھی نہ تھی کہ فورم آن ریلیجن اینڈ پبلک لائف کی رپورٹ (The Future of the Global Muslim Population) نے تہلکہ مچا دیا۔ اس رپورٹ میں یہ بتایا گیا کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے آئندہ بیس برس میں اس میں 35 فیصد اضافہ متوقع ہے یعنی اگر آج یہ آبادی 1.7 بلین ہے جو 2030 تک بڑھ کر 2.2 بلین ہو جائے گی۔ رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی آبادی میں اضافے کی شرح غیر مسلموں کے مقابلے میں تقریباً دگنی ہوگی، یہ رپورٹ اشاعت سے اب تک عالمی حلقوں میں موضوع گفتگو ہے۔ رپورٹ کے مطابق آئندہ 20 برسوں میں کینیڈا میں مسلمانوں کی آبادی ۳ گنا بڑھ جائے گی، امریکہ میں دگنی اور یورپ میں ایک تہائی۔ آج کینیڈا میں مسلمان 940000 ہیں جو 6.6 فیصد کی رفتار سے بڑھ کر 2030 تک 2.7 ملین ہو جائے گی۔ امریکہ میں آج 2.7 ملین مسلمان رہتے ہیں جو 2030 تک بڑھ کر 6.2 ملین ہو جائیں گے۔ آج امریکہ مسلمان آبادی کے لحاظ سے 43واں بڑا ملک ہے جو محض دہائیوں کے بعد مسلم آبادی کا 55واں بڑا ملک ہوگا۔ شمالی امریکہ میں 1990 سے 2010 کے درمیان مسلم آبادی میں 91 فیصد کی رفتار سے اضافہ ہوا تو آبادی 1.8 ملین سے بڑھ کر 3.5 ملین ہوگی، رپورٹ کے مطابق یہ رفتار 20 برس میں 151 فیصد ہو جائے گی اور مسلمان آبادی 3.5 ملین سے بڑھ کر 8.9 ملین تک جا پہنچے گی۔ یورپ میں مسلمانوں کی آبادی 44.1 ملین ہے جو اندازے کے مطابق بڑھ کر 2030 تک 58.5 ملین ہو جائے گی، یعنی 31.0 فیصد کی

رفتار سے اضافہ، برطانیہ میں مسلمان آبادی تقریباً دگنی ہو جائے گی 2.9 ملین سے بڑھ کر 5.6 ملین یہ اضافہ 93 فیصد کی حیرت انگیز رفتار سے ہوگا۔فرانس جہاں آج بھی مساجد کی تعداد کیتھولک چرچ سے زیادہ ہے وہاں مسلمان 4.7 ملین سے بڑھ کر 6.9 ملین ہو جائیں گے، یعنی 46 فیصد کی رفتار سے اضافہ ہوگا۔بھارت میں آج مسلمانوں کی کل آبادی کا 14.6 فیصد ہے جو 2030 میں بڑھ کر 16 فیصد ہو جائیں گے یعنی 170 ملین سے بڑھ کر 236 ملین، پاکستان میں مسلمان انڈونیشیا سے بھی بڑھ جائیں گے یعنی 256.1 ملین، یہ اعداد وشمار دنیا بھر کے لیے چونکا دینے والے ہیں۔سنگاپور سے لے کر یورپ، امریکہ تک ہر ہر جگہ مختلف سروے، اعداد وشمار اور حقائق یہ بتاتے نظر آتے ہیں کہ مسلمانوں نے ساری دنیا میں حیرت انگیز طور پر اپنا جداگانہ تشخص برقرار رکھا ہے۔یونان، روم اور فارس کا فلسفہ وتہذیب ہو یا چنگیز خان کی یلغار، ہندوانہ ثقافت ہو یا سوشل ازم کا جبر، اسلام مسلمانوں کو انتہائی صبر آزما حالات سے بھی نہایت صفائی سے بچا کر نکال لایا ہے۔ہالینڈ کی وزیر قانون piet Hein Donner نے بجا طور پر کہا تھا کہ اگر ہالینڈ میں مسلمان تعداد میں زیادہ ہو جائیں اور شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کر دیں تو جمہوریت کے اصول کی پاسداری میں شریعت نافذ کر دینی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے برطانیہ میں بھی اسلام کی مقبولیت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اس کا تازہ ثبوت برطانوی سرکاری اداروں کے اعداد وشمار ہیں جن کے مطابق بڑے برطانوی شہروں میں مسلمان بچوں کی تعداد عیسائی بچوں سے بڑھ چکی ہے۔یہ اعداد وشمار 2011 کی مردم شماری کی بنیاد پر جاری کیے گئے ہیں جس کے مطابق برطانیہ میں نسلی توازن تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے اور روایتی طور پر عیسائی بچوں کی تعداد زیادہ رہنے کی حقیقت اب تبدیل ہو چکی ہے اور اب زیادہ بچوں کا تعلق اسلام سے ہے جبکہ دیگر مذاہب کے بچوں کی تعداد واضح طور پر کم ہے۔برمنگھم شہر میں کل 278623 بچوں میں سے 97099 بچوں کی رجسٹریشن مسلمان کے طور پر کروائی گئی ہے جبکہ عیسائی بچوں کی تعداد 93828 تھی جب کہ باقی کا تعلق دیگر مذاہب

سے تھا اسی طرح بریڈفورڈ، بریڈفورڈ شائر اور لندن کے علاقوں نیوہیم، ریڈبرج میں بھی مسلمان بچوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے اور وہاں تقریباً دو تہائی بچوں کا تعلق اسلام سے ہے۔ برطانیہ میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے کی وجہ سے وہاں کے ماہرین اور سرکاری احکام اس بات سے متفکر نظر آتے ہیں۔ ان کے اس طرح متفکر ہونے سے انشاءاللہ اسلام کے پھیلنے میں کمی نہیں آئے گی کیوں کہ یہ تقدیر الٰہی ہے کہ اسلام دنیا میں غالب آنے کے لیے آیا ہے۔ یعنی ہر آنے والا دن اسلام کی فتح کا دن ہے اور روزانہ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ باقی مذاہب اور دہریوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسکتی چلی جا رہی ہے۔ آج جن لوگوں کی دعوت تبلیغ سے اسلام پھیل رہا ہے ان کی تعداد پانچ سے دس فیصد ہے یعنی بہت ہی قلیل تعداد میں لوگ دعوت و تبلیغ کر رہے ہیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ جب دعوت و تبلیغ کرنے والوں کی منشاء انبیاء کرام علیہم السلام کی پیش گوئیاں، مختلف اولیاء اللہ کی بھی پیش گوئیاں مختلف مفکرین اور دانشوروں کی پیش گوئیاں اور تجزیے ان تمام کا آخری فیصلہ یہی ہے کہ انشاءاللہ اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر
تیری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا عجب نہیں کہ یہ چار سو بدل جائے

پس اگر آج تمام مسلمان یہ عہد کریں کہ وہ حقیقی مومن بن جائیں گے۔ تو ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔

دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔ تاریخ دان کہتے ہیں کہ سلطنت روما ایک دن میں عیسائی ہوگئی تھی کیونکہ اس کے پیچھے لوگوں کی کافی سالوں کی محنت تھی۔ لیکن اس سلطنت روما کو لٹنے والے بھی اسلام کے شیر ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ شیر پھر بیدار ہو چکے ہیں۔

علامہ اقبال یہ پیش گوئی کر چکے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا

اللہ کے فضل سے وہ شیر بیدار ہو چکا ہے۔انشاءاللہ تعالیٰ بہت جلد دنیا اس شیر کو دیکھ لے گی اور دنیا یہ کہہ اٹھے گی کہ کس شیر کی آمد ہے کہ دل کانپ رہا ہے۔

اور دنیا جلد جشن غلبہء اسلام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی۔یہ دیوانے کا خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے کیوں کہ۔

عالم نو ہے ابھی پردہ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

جشن غلبہء اسلام کا بگل بج چکا ہے اور ہر چڑھنے والا دن کا سورج غلبہء اسلام کی نوید دے رہا ہے اور مسلمانوں کا غلبہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔یہاں امت مسلمہ کے لیے یہ پیغام بھی نہایت اہم ہے کہ جو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے ان کی تربیت کے لیے لائحہ عمل پہلے سے ہی بنا لینا چاہیے۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے نومسلموں کی تربیت کے لیے ہم لائحہ عمل بنا چکے ہیں۔یعنی ایسا پروسیس جس پر عمل کر کے وہ بہترین مسلمان بلکہ حقیقی مومن بن جائیں گے۔

آخر میں تمام امت مسلمہ سے درخواست ہے کہ اپنے دل میں جذبہ بیدار کریں اور خوابیدہ انقلاب کو جگائیں۔جشن غلبہء اسلام آپ کا انتظار کر رہا ہے۔آسمان پر بھی دعوت حق کے لیے جوش ہے۔

یہ سوال بہت اہم ہے کہ غلبہ اسلام کب اور کیسے۔رہنمائی کے لیے اگر ہم عظیم آفاقی اور انقلابی الہامی کتاب قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ ارشاد ربانی نظر آتا ہے کہ
''ہماری باتیں سارے عالم میں پھیل جائیں گی اور لوگوں کے دل ان کو قبول کریں گے

اور وہ پکار اٹھیں گے کہ قرآن ہی سچا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ راز بتا دیا ہے، جس کے ذریعے دنیا میں اسلام کا غلبہ ہو جائے گا ۔وہ ہے قرآن کریم کی عظیم آفاقی اور انقلابی تعلیم کو ہم دنیا تک پہنچائیں ۔معزز قارئین آپ یہ سن کر حیران ہو جائیں گے کہ یہ بات غیر مسلموں کو بھی معلوم ہے کہ جب مسلمان قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کریں گے تو دنیا پر غالب آ جائیں گے ۔ہم یہاں علامتی طور پر صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں ۔

ملکہ وکٹوریا دنیا کے پانچویں حصے پر حکمران تھیں۔ایک روز اس نے اپنے اتالیق اور وزیر اعظم لارڈ میلبورن سے دریافت کیا:" آپ نے تاریخ عالم کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اس میں آپ کو سب سے زیادہ حیرت انگیز بات کیا نظر آئی ؟" وزیر اعظم لارڈ میلبورن نے بلا تامل جواب دیا:"اسلام کا عروج" اس پر ملکہ وکٹوریا نے سوال کیا" آپ نے اس کے اسباب پر بھی غور کیا؟" لارڈ میلبورن نے کہا، میری سمجھ میں تو ایک ہی بات آتی ہے وہ یہ کہ ان کے پیغمبرﷺ نے انہیں ہدایت کے لیے ایک کتاب قرآن مجید دی تھی ۔جب تک وہ اس پر عمل پیرا رہے ترقی کی تمام راہیں ان پر کھلی رہیں ۔پھر جیسے جیسے انہوں نے اس کتاب سے بے اعتنائی برتنا شروع کی ان کا زوال ہونے لگا ۔" آگے اس نے کہا ،اگر کسی زمانے میں تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور مسلمانوں نے من حیث القوم پھر قرآن کو مضبوطی سے پکڑا اور اپنی انفرادی اور قومی زندگی قرآن کے مطابق بنالی ،تو پھر ہم کیا ساری دنیا ان کے زیر سایہ آ جائے گی ۔ **(جاری ہے)**

سوچ کا سمندر

(پروفیسر شبیر شاھد ھوتوانی)

آج سے تقریباً چھ سات سال قبل کی بات ہے کہ میں ایک صاحب کے ہاں بیٹھا کسی عنوان پر بات کر رہا تھا کہ بات ''**آخرت کی زندگی** '' پر چل نکلی ۔اُن صاحب نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا کہ کون سی آخرت؟ آخرت کس نے دیکھی؟ زندگی تو بس یہی ہے جو سامنے گزر رہی ہے ۔مخاطب ہو کر کہتے ہیں ۔''پروفیسر صاحب! کس زندگی کی بات کرتے ہیں ۔ مر کھپ جائیں گے ۔جسم مٹی میں مل جائیگا۔موت کے بعد زندگی کس نے دیکھی۔

میں جس آدمی سے محو گفتگو تھا وہ سنجیدہ عمر کا تھا۔اگر چہ ایک آدھ دفعہ مذہبی اجتماعات میں بھی انہیں دیکھا تھا۔میرے ذہن میں یہ تھا کہ دین سے لگاؤ رکھنے والا ہے لیکن اس دن معلوم ہوا کہ میرا انداز ہ غلط تھا کہ وہ بس دنیا دار زیادہ اور دیندار کم تھا۔

آج دوران گفتگو اس نے جب آخرت کے تصور کو ماننے سے انکار کیا تو میری پریشانی کی انتہا نہ رہی ۔سوچ میں پڑ گیا ۔اللہ نے میرے ذہن میں ایک نکتہ ڈالا ۔میں نے کہا فرض کیا آپ کی بات مان لیتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ،مرنے کے بعد انسانی جسم گل سڑ جاتا ہے اور انسانی روح کی زندگی کا تصور نہیں اور نہ کوئی جزا سزا کا دن ہے کہ جہاں مظلوم کو اس کا حق دلایا جائے''۔

میں نے موصوف کو معاشرے کے اندر ہونے والے مظالم معاشی اور معاشرتی فرق کے بارے توجہ مبذول کرائی کہ ایک طرف امیر کبیر طبقہ، جسے دنیا کی تمام آسائشیں اور سہولیات مہیا ہیں اور ان کی خدمت کے لیے نوکر چاکر ہر وقت موجود ہیں ۔ایئر کنڈیشنڈ بنگلہ و گاڑی ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے دن میں تین بار میز پر چنے جاتے ہیں۔

ادھر غریب آدمی جو روکھی سوکھی روٹی کو بھی ترستا ہے، صبح کی ہے تو شام کی نہیں ہے،

امیر کبیر لوگوں کی خدمت کر کے یا کسی کارخانہ فیکٹری میں کام کر کے مشکل سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے اور اسے دنیا کی کوئی آسائش میہا نہیں۔ایک طرف امیر کبیر زندگی کے مزے لے کر لطف اندوز ہو رہا ہے،دوسری طرف غریب روٹی کی ترس رہا ہے۔

اس کے علاوہ کچھ ایسے بھی ہیں جن سے ظالم جابر لوگ زبردستی بیگار لیتے ہیں اور انہیں اس بیگار کے بدلے صرف روٹی ملتی ہے اور ان سے صبح سے شام تک کام لے کر انہیں بند کوٹھڑی میں رکھا جاتا ہے پھر صبح ان سے وہی کام لیا جاتا ہے۔اس طرح وہ پوری زندگی گزار کر راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں۔

مزید براں پیدائشی بہرے، گونگے، لولے لنگڑے، گنجے اس دنیا میں آئے، نہ انہوں نے دنیا دیکھی، نہ خود چل پھر کر زندگی سے لطف اندوز ہوئے نہ زندگی کی رنگینی دیکھی نہ سازو آواز سے بہرہ مند ہوئے نہ سنا اور نہ بولے اور نہ کھل کر اظہار مافی الضمیر کر سکے۔کچھ لوگ پیدائشی طور پر ذائقہ کی نعمت سے محروم رہے انہیں نہ تو کڑوے ذائقہ کا احساس ہوتا ہے اور نہ ہی میٹھے کا اور نہ کھٹے کا۔یہ لوگ صرف پیٹ تو بھر لیتے ہیں لیکن ذائقہ کی لذت سے قطعی محروم بس زندہ رہنے کے لیے کھا پی لیتے ہیں۔

کچھ لوگ پیدائشی طور پر ان مذکورہ نعمتوں سے محروم نہیں ہوتے بلکہ زندگی میں مختلف حادثات کی بنا پر آنکھ، ٹانگ، بازو وغیرہ سے محروم ہو جاتے ہیں یا بعض اوقات کچھ ظالم جابر لوگ مال و دولت اور ذاتی غرض و غایت کی خاطر دوسرے کمزور آدمی کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور ذرا سی مزاحمت پر یا تو اسے جان سے مار ڈالتے ہیں یا اسے اتنی سزا دیتے ہیں کہ وہ زندگی بھر معذور واپاہج زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور معاشرے میں عدم انصاف کی وجہ سے اس کی دادرسی نہیں ہوتی۔بعض اوقات ایک آدمی ناحق مارا جاتا ہے یا بغیر جرم کے پھانسی چڑھ جاتا ہے۔طاقتور کمزور کو دبا کر اس کا حق غصب کرتا ہے اس دنیا میں اسے انصاف نہ ملنے کی وجہ سے عدالتوں کے دھکے کھا کھا کر بے آس ہو جاتا ہے۔

یہ سب کچھ کیا ہے؟ کیا چھوٹی اور کمزور مچھلی صرف بڑی مچھلی کی خوراک بننے کے لیے پیدا کی گئی ہے؟ کیا اسے جینے کا حق نہیں ہے۔صرف اس وجہ سے کہ وہ کمزور ہے۔جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق کہ جو ناحق مارا گیا بس مارا گیا۔اس کو اگر اس دنیا میں انصاف نہ مل سکا تو بس اسے کہیں بھی انصاف نہیں ملے گا۔

نہیں ہر گز نہیں، اگر کوئی مجرم اس دنیا میں دولت وتعلقات اور سفارش کی بنا پر سزا سے بچ نکلتا ہے وہ ضرور ایک بڑی ہستی کے سامنے پیش ہوگا اسے اس جرم کی سزا ضرور ملے گی اور اس مظلوم کی ضرور دادرسی ہوگی۔اور اس جرم کرنے والے کو اس جرم کے مطابق سزا دی جائے گی اور اگر کسی شخص نے نیکی کی ہوگی اسے اس کا اجر ضرور ملے گا۔اس دن کو انصاف کا دن یا قیامت کا دن کہتے ہیں، اور یہ ہوگا موت کے بعد زندگی کا دن!

جب یہ گفتگو اس صاحب کے کان سے ٹکرائی تو وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے اور کہنے لگے بات تو درست ہے۔اگلے سال جب ان سے ملاقات ہوئی تو ان کی زندگی میں انقلاب آ چکا تھا اور وہ پکا نمازی بن چکا تھا اور عمرے کی سعادت بھی حاصل کر لی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انسان کی آزمائش کے لیے کئی حالات پیدا کیے ہیں کہ جنہیں عام آدمی دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ قدم قدم پر ناہمواری دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے ایسا کیوں ہے؟ انسانی ذہن میں شاید ایسے سوالات اُبھریں کہ کیا اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی چیز کی کمی تھی جو اس کو اس نعمت سے محروم رکھا۔اس طرح کے حالات انسان کے سامنے زندگی میں بارہا آتے ہیں اور انسانی سوچ کا زاویہ منفی سمت کروٹ لیتا ہے یہاں تک کہ کفریہ تخیلات وتصورات انسان کے ایمان کو متزلزل کر دیتے ہیں۔یہ معاملہ صرف اور صرف عام آدمی کے ساتھ ہوتا ہے جو پورے کا پورا دنیا دار ہو یا وہ شخص جس نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں غور نہ کیا ہو اور نہ کبھی تفکر وتدبر کی زحمت کی ہو، غمِ روزگار میں مست ہو یا اپنے عیش وآرام کے بارے میں ہر وقت سوچتا رہتا ہو یا مال و دولت کے اکٹھے کرنے کی فکر ہر وقت دامن گیر ہو یا

اس نے تخلیق کائنات کے رموز کے بارے میں ماننے کا کبھی سوچا نہ ہو اور نہ کبھی اس کا دھیان اس طرف گیا ہو انسان اگر سوچے تو کافی الجھی گتھیاں منٹوں میں سلجھ جاتی ہیں اور اس کو کافی سوالات و الجھنوں کا جواب مل جاتا ہے۔ دیکھیں جب بچہ اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اس کے تن پر کپڑا تک نہیں ہوتا، بالکل ننگا الف ننگا پیدا ہوتا ہے سردی یا گرمی کے احساس سے یا کسی اور وجہ سے رونا شروع کر دیتا ہے۔ اسی روز بلکہ اسی لمحہ اس کے جسم کو نئے یا پرانے کپڑوں سے ڈھانپ دیا جاتا ہے اگر گرمی کا موسم ہے تو نرم اور ہلکے پھلکے کپڑے، اگر سردی ہے تو گرم کپڑوں میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ صرف دنیا میں آنے کی دیر ہوئی کپڑے مل گئے۔ اگر گرمی کی شدت سے رو رہا تھا ٹھنڈے ماحول میں لٹایا گیا اور سردی تھی تو گرم ماحول مہیا کیا گیا۔ اگر بھوک کی وجہ سے رویا تو ماں نے نومولود کو چھاتی سے لگا کر دودھ پلایا اور مزے کی بات یہ ہے کہ اگر سردیاں ہیں تو ماں کی چھاتی کا دودھ گرم اور اگر گرمیاں ہیں تو دودھ ٹھنڈا۔ پیدا ہوتے ہی خوراک اور غذا کے لیے دودھ کی دو نہریں موسم کی مناسبت سے جاری کر دیں۔ غور کرنے کا مقام ہے بچہ کی پیدائش ابھی تک نہیں ہوئی لیکن دودھ کے دو چشمے اس کے انتظار میں ابلنے کو ہیں۔

بچے آ رہے ہیں کھا پی کر جوان ہو رہے ہیں کئی بچے شیر خوارگی کے ایام میں راہی ملک عدم ہو جاتے ہیں، کئی بچپن میں کوچ کر جاتے ہیں کئی لڑکپن میں فوت ہو جاتے ہیں۔ کئی جوانی کے عالم میں داغ مفارقت دے جاتے ہیں۔ کچھ بڑھاپے میں اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں۔ عمر کے تفاوت کے لحاظ سے اس جہاں سے آگے پیچھے چلے جانا بھی ناہمواری نظر آتی ہے۔ موت کا پنجہ کسی بھی وقت کسی کو دبوچ سکتا ہے۔

اس کے علاوہ دنیاوی زندگی میں نعمتوں کے حوالہ سے بھی ناہمواریاں عیاں ہیں۔ کوئی تو امارت کی زندگی بسر کر رہے ہیں جنہیں زندگی کی تمام آسائشیں حاصل ہیں، دنیا کی تمام سہولیات میسر ہیں۔ اعلیٰ کھانے سے لے کر عالیشان بنگلہ، موٹر کار، ائر کنڈیشنڈ جیسی بنیادی ضرورتیں دستیاب ہیں۔ پھل فروٹ، انواع اقسام کے لذیذ کھانے بریک فاسٹ، لنچ، ڈنر کی

شکل میں منتظر رہتے ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں ایک آدمی بچپن سے لے کر عمر کے آخری حصہ تک کسمپرسی کی زندگی گزارتا ہے۔ اسے اعلیٰ کھانے تو کجا اسے خشک نان جویں بھی مشکل سے ملتی ہے۔ رہائش کے لیے نارمل مکان کی بجائے کٹیا اور وہ بھی کسی کو میسر ہوتی ہے کسی کو یہ بھی نہیں۔ اس کے علاوہ تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں ملتا۔ وہ مانگ تانگ کا کپڑا یعنی کسی کی اترن سے اپنا جسم ڈھانپتا ہے۔ وہ جتنا بھی روزی کمانے کی تگ و دو کرتا ہے بڑی مشکل سے صبح یا شام کا کھانا پورا کرتا ہے۔ کبھی کبھار فاقوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے اگر ایک شام کھانا کھایا دوسرے روز روزہ۔ ایسے لوگ نیا کپڑا پہننے کو خواب سمجھتے ہیں سالن کا تصور ناپید، ہمسایوں سے لسی، سالن مانگ کر رات کاٹتے ہیں۔ سردیوں میں لحاف کا تصور نہیں ممکن، آگ جلا کر کمروں کو گرم رکھ کر سردیوں کی راتیں کاٹتے ہیں۔ جوتا وغیرہ سے بے نیاز ہو کر ننگے پاؤں گزارا کرتے ہیں۔ اگر بیمار پڑ جائیں تو علاج معالجہ کرانے کی سکت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے بغیر علاج کے شفا کا انتظار کرتے ہیں۔

ان تمام چیزوں کا واضح مطلب ہے کہ دنیا صرف یہی نہیں ہے بلکہ اس جہاں اور اس زندگی کے بعد بھی ایک جہاں اور ایک زندگی ہے۔ جس میں اللہ رب العزت تمام انسانوں کو ان کے اعمال کے مطابق سزا و جزا دیں گے۔ اگر تو اس زندگی میں اللہ کی رضا و خوشنودی کو مدنظر رکھا تو اگلی زندگی میں یقیناً ایسا شخص اللہ کے انعام و اکرام کا حق دار ٹھہرے گا۔ اس کے برعکس اگر انسان نے اللہ سے غافل ہو کر اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ لیا اور اسی کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنی آخرت کو نہ سنوار سکا، اللہ کی رضا و خوشنودی والے راستے پر نہ چلا تو دائمی ذلت و رسوائی اس کا مقدر رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں زندگی کے مقصد کو سمجھنے اور اسے پورا کرنے میں ہماری مدد فرمائے اور اللہ ہمیں دنیا و آخرت کی کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

جہاد

(مولانا امین احسن اصلاحی)

یہی مقام ہے جہاں سے حمایت ونصرت، جہاد فی سبیل اللہ کی شکل اختیار کرتی ہے۔ یعنی حالات کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندے اس امر کا اہتمام کریں کہ وہ باہمی تعاون سے ایسی قوت فراہم کریں کہ دین کی راہ میں پیش آنے والی مزاحمتوں کا وہ موثر مقابلہ کرسکیں۔ انفرادی قوتوں سے صرف انفرادی مزاحمتوں ہی کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ مزاحمت اگر اجتماعی ہوتو اس سے مقابلہ کے لئے لازماً ضرورت ہوگی کہ جماعتی قوت فراہم کی جائے۔ دنیا عالم اسباب ہے، ہر چند حق کے اندر بجائے خود بڑی طاقت مضمر ہوتی ہے، لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ ہر طرح کی مضمر طاقت رکھنے کے باوجود اپنے دین کی نصرت کا کام اپنے بندوں سے لیتا ہے، اسی طرح حق کی طاقت بھی اسباب کے پردے ہی سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ سنت ابتلاء کا لازمی تقاضا ہے، جو اس کائنات میں جاری ہے اور جس کی طرف ہم نے تمہید میں اشارہ کیا ہے۔

اسی جہادی قوت کو فراہم کرنے کے لئے سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو دعوت دی۔ یہ دعوت اگر چہ تمام نبیوں نے دی ہے، لیکن ہم نے حضرت مسیح علیہ السلام کا حوالہ خاص طور پر دو وجوہات کی بناء پر دیا ہے: ایک تو اس وجہ سے کہ آنجنابؑ کے متعلق یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ آپؑ صرف پند ونصیحت کے پیغمبر تھے، اپنے ساتھیوں کے اندر آپؑ نے اس طرح کا کوئی ولولہ نہیں ابھارا جس کا تعلق کسی نوعیت سے جنگ و جہاد سے ہو۔ دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن نے آپؑ کی اس دعوت اور آپؑ کے ساتھیوں کے اس رویہ کو جو انہوں نے اس دعوت کے جواب میں اختیار کیا مسلمانوں کے سامنے بطور ایک اعلیٰ مثال کے پیش کیا ہے۔ چنانچہ سورہ صف میں فرمایا ہے:

"اے ایمان والو! تم اللہ کے انصار بنو، جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے دعوت دی حواریوں کو

: کون میرا مددگار بنتا ہے، اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے انصار بنتے ہیں! تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا تو ہم نے ایمان والوں کی، ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی تو وہ غالب رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت کا ذکر سورہ آل عمران میں بھی ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ نے پہلے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی معروف سنت کے مطابق، اپنی قوم کے سادات واکابر اور علماء وفقہا کو دعوت دی لیکن جب آپ علیہ السلام کو یہ اندازہ ہوگیا کہ دین داری کے یہ پشتینی ٹھیکیدار پسیجنے والے نہیں ہیں تو آپؑ نے ان کو چھوڑ کر اپنے غریب ساتھیوں اور دریا کے کنارے کے ماہی گیروں کو دعوت دی کہ میرے پیچھے چلے آؤ تو میں تم کو آدم گیر بناؤں گا۔ (انجیل متی: باب ۴:۱۹) غریب مچھیروں نے آپؑ کی دعوت قبول فرمائی اور انہی کو اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کے فروغ اور اس کے غلبہ کا ذریعہ بنا دیا۔

آیت میں اس صورت حال کی طرف نہایت لطیف اشارہ ہے:

ترجمہ: "پس جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے کفر کو بھانپ لیا تو اس نے دعوت دی کہ کون میرا مددگار بنتا ہے، اللہ کی راہ میں؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار! ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیے کہ ہم مسلم ہیں"۔ (آل عمران 52)

یہاں وہ حقیقت پیش نظر رہے کہ جس کی طرف ہم نے تمہید میں اشارہ کیا ہے کہ انسان کے اندر اصل روح حمیت حق ہے جس پر کسی کا اجارہ نہیں ہے۔ (آل عمران 52) یہ اللہ کے فضل سے اس کے ان بندوں کو نصیب ہوتی ہے جو اپنی فطرت کو مسخ ہونے سے بچائے رکھتے ہیں، عام اس سے کہ وہ امیر ہیں یا غریب، اعیان واکابر میں سے ہیں یا غرباء وعوام میں سے، عالی نسب قریشی ہیں یا حبشی غلام۔ سیدنا مسیح علیہ السلام انسانی فطرت کے اس رمز سے اچھی طرح واقف تھے، اس وجہ سے جب آپؑ نے وقت کے اکابرین کو ٹٹول کر دیکھ لیا کہ ان کے اندر زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی ہے تو آپؑ نے عوام کے اندر منادی کی اور اللہ نے انہی کے اندر ایسے ساتھی

آپ کو دے دیے جو تمام خلق کے داعی اور معلم بنے اور جو اگرچہ آئے تو تھے دریا کے کنارے کے ماہی گیروں کے اندر سے لیکن ان کی دعوت نے بڑے بڑے تاج داروں کو مسخر کرلیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں کے بعد اس حمیت حق اور نصرت و جہاد کی سب سے زیادہ شاندار مثال مدینہ کے انصار نے پیش کی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے ابتدائی دور میں انصار کے جو قافلے مکہ حج کے لئے آتے وہ یہ معلوم کر کے نہایت متاثر ہوتے کہ یہاں ایک شخص لوگوں کو نیکی اور خدا پرستی کی دعوت دے رہا ہے، لیکن لوگ اس کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے اس کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ اس صورتحال نے ان کی حمیت حق کو بیدار کیا اور ان میں سے بعض غیور اس مظلوم حق کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ کے ان بندوں کے ذریعہ سے یہ دعوت مدینہ پہنچ گئی اور وہاں کی سرزمین اس کے لئے اتنی سازگار ثابت ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے وہاں جڑ پکڑ لی۔ پھر آہستہ آہستہ یہ صورت پیدا ہو گئی کہ مکہ کے مظلوم مسلمان اس سرزمین کو اپنے لئے ایک مامن خیال کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اس نے ان کے لئے ایک دارالہجرت کی حیثیت اختیار کر لی۔ پہلے کمزور مسلمانوں نے اس کا رخ کیا، اس کے بعد وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود سرورِ عالم ﷺ نے بھی ہجرت فرمائی، جس کے بعد قدرتی طور پر مدینہ اسلام اور دعوت اسلامی کا مرکز بن گیا۔

انصار نے جس جوش و خروش اور جس دریا دلی سے اپنے مہاجر بھائیوں کا خیر مقدم کیا، جس فیاضی سے اپنے باغوں اور اپنی جائیدادوں اور ملکیتوں میں ان کو شریک بنایا اور جس عقیدت و احترام سے اللہ کے رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنے سروں اور دلوں پر بٹھایا، اس کے متعلق کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے اس کی کوئی اور نظیر نہیں ہے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ انصار و مہاجرین کی اخوت کی حیثیت صرف اخلاقی اخوت کی نہیں تھی بلکہ ایک عرصہ تک اس کو قانونی حیثیت بھی حاصل رہی اور جب اس کی حیثیت منسوخ ہوئی تو یہ انصار کے کسی مطالبہ پر نہیں، بلکہ اللہ کے حکم سے اسلامی شریعت کے مزاج کے تقاضوں کے تحت منسوخ ہوئی،

اس لئے کہ مہاجرین کے مسائل اس طرح حل ہو گئے تھے کہ اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

یہ حقیقت نفس الامری یہاں ملحوظ رہے کہ انصار نے مہاجرین کو پناہ دینے کا کام بظاہر نہ تو معاشی نقطۂ نظر سے اپنے لئے مفید کیا تھا، نہ سیاسی نقطۂ نظر سے۔ معاشی پہلو سے تو اس کی غلطی یوں واضح تھی کہ انہوں نے اپنی رفاہیت میں ایک ایسے جمِ غفیر کو ساجھی بنالیا جس کو قریش نے ان کے گھروں سے بالکل خالی ہاتھ نکالا تھا۔ سیاسی اعتبار سے اس میں یہ غلطی تھی کہ مدینہ کو اسلامی دعوت کا مرکز بنا کر انہوں نے اس کی پرسکون زندگی کو تمام عرب و عجم کی دشمنی کا ہدف بنادیا۔ اس گمان کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے کہ انصار اپنے اس اقدام کے نتائج کا کوئی اندازہ نہیں رکھتے تھے۔ ان دونوں باتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ پیش آنے والے سیاسی خطرات سے تو خود قریش نے ان کو آگاہ کردیا تھا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش کو جب یہ اندازہ ہوا کہ انصار آنحضرت ﷺ کو بھی اپنے پاس لے جانا چاہتے ہیں تو انہوں نے نہایت کھلے لفظوں میں ان کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے یہ اقدام کرنے کی جسارت کی تو تمام اسود و احمر سے جنگ کے لئے تیار رہیں۔ لیکن انصار نے ان کی ان دھمکیوں کی خس برابر بھی پروانہ کی۔

آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد مدینہ پر حملوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن انصار ان حملوں سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو جس حمایت و نصرت کا اطمینان دلایا تھا اس پر پوری پامردی سے قائم رہے۔ بعض جنگوں کے مواقع پر جب ان کو گمان ہوا کہ آنحضرت ﷺ یہ اندازہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ان آئے دن کے حملوں سے متعلق انصار کے تاثرات کیا ہیں، وہ کس حد تک ان کو برداشت کر سکتے ہیں تو انصار کے لیڈروں نے آپ ﷺ کو ایسے الفاظ میں اطمینان دلایا جو تاریخ میں تا ابد یادر کھے جائیں گے۔ ایک موقع پر انصار کے لیڈر نے کہا کہ حضور! ہم بنی اسرائیل کی طرح کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ آپ ﷺ اور آپ کا خدا جا کر دشمنوں سے لڑیں، ہم گھر میں بیٹھیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ ﷺ یہ حکم دیں گے کہ ہم اپنے گھوڑے سمندروں میں ڈال دیں تو ہم اس حکم کی بھی بے چون و چرا تعمیل کریں گے

تقدیر اور آخرت

(امتیاز احمد)

یہ حقیقت کفار اور منکرین اسلام کی سمجھ میں آ ہی نہیں سکتی کہ زندگی اور موت دراصل صرف اور صرف اللہ کے اختیار میں ہیں، موت اور حیات کا ایک وقت مقرر ہے، جسے کوئی بھی کسی بھی حالت میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 246 تا 247 میں ہماری رہنمائی کیلئے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد رونما ہوا۔

ترجمہ: "بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے حضرت موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تا کہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہِ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے، جبکہ ہم وطن سے نکال دیے گئے ہیں اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں، لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہ کا حق کیونکر ہو سکتا ہے، بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لئے) منتخب فرمایا ہے۔ اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور جسمانی طاقت بھی عطا کی ہے اور خدا (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے اور وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے"۔

اس سے پہلے کہ ہم اس واقعہ کو آگے بڑھائیں ہم دیکھتے ہیں کہ امیروں نے غریبوں پر

حکومت کرنا اپنا پیدائشی حق سمجھ رکھا تھا۔انہوں نے اس حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا تھا دراصل بادشاہی اور حکومت صرف اللہ کی ہے ۔اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنے انعامات و اکرامات کی بارش کر سکتا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے طالوت کو علم اور جسمانی طاقت عطا کی تا کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی ادا کر سکیں ۔پس علم دولت سے زیادہ اہم ہے۔

یاد رکھیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنا فرض بخوبی ادا کرنے کے لئے جسمانی اور ذہنی طور پر تندرست ہو،اس کے برعکس مال و دولت کی زیادتی کسی کو بھی کسی پر زبردستی حکومت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔قوم بنی اسرائیل نے مایوس ہو کر اپنے پیغمبر سے کہا کہ ہمیں طالوت کے بارے میں کوئی معجزہ دکھایئے ،جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ طالوت واقعی اللہ کے سچے نمائندے ہیں۔سورۃ البقرہ: 248 میں فرمایا:

ترجمہ: "اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی اور کچھ اور چیزیں بھی ہونگی جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام چھوڑ گئے تھے ۔اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے"۔

یہ نشانی دیکھنے کے بعد بھی بنی اسرائیل کے اس گروہ میں سے چند ہی افراد اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے ۔ان میں بھی بہت کم لوگ سنجیدہ طور پر اور باقی صرف خانہ پری کے لئے تیار ہوئے۔

اللہ کے پاس ایک مخصوص طریقہ ہے جس کے ذریعہ وہ بندوں کا امتحان لیتا ہے ۔
یہ امتحانات کیا ہیں انکی تشریح اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ 250-249 میں یوں بیان فرمائی ۔
ترجمہ: "غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر

سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اسکی نسبت تصور کیا جائیگا) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پئے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر۔ جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے۔ تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ لیکن جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میں آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتحیاب کر۔ اللہ تعالیٰ نے نہر کے امتحان کے ذریعے سچے اور کمزور ایمان والوں کے درمیان تمیز قائم کی۔ چند سچے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ دوسروں کے سامنے اللہ کی برتری اور طاقت کا ثبوت پیش کیا بلکہ اللہ کے روبرو اپنی عاجزی کا اظہار بھی کیا۔ لہٰذا مومن کو اپنے تقویٰ اور پرہیز گاری پر بے جا نازیا غرور کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس اعتقاد، خودسپردگی اور مستقل مزاجی کا بیان قرآن حکیم میں سورہ البقرہ کی آیت 251 میں بیان ہوا ہے۔

ترجمہ: "تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے انکو ہزیمت دی اور داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن خدا تمام جہان پر بڑا مہربان ہے"۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مندرجہ بالا آیات میں لفظ "بہت کم" تین بار

استعمال ہوا ہے۔پہلی بار جب جنگ میں شامل ہونے کی تجویز ان کے سامنے رکھی گئی تو "بہت کم" لوگ سامنے آئے پھر "بہت کم" لوگوں نے نہر کا پانی نہیں پیا۔باقی بچے ہوئے لوگوں میں سے "بہت کم" لوگوں نے جالوت کی زبردست طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کیا اور آخر میں انتہائی قلیل تعداد میں وہ لوگ سامنے آئے جن کا تقدیر اور آخرت پر کامل یقین تھا۔

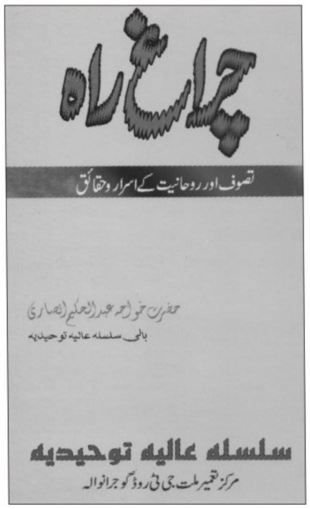
اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو کامیابیوں سے سرفراز کیا بلکہ اقتدار کے ساتھ ساتھ مختلف علوم کی دولت سے بھی نوازا۔

ترجمہ: "وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

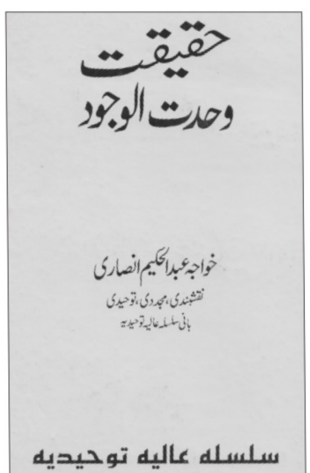
حضرت خالد بن ولیدؓ اللہ کے رسول ﷺ کے بہت ہی خاص صحابہ کرامؓ میں سے ایک صحابی تھے۔انہوں نے کئی جنگیں لڑیں۔ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں تھا جس پر زخم کا نشان نہ ہو۔وہ شہید ہونا چاہتے تھے۔لیکن ان کا انتقال ہوا،ان کے اپنے گھر میں،اپنے بستر پر!

آپ دیکھیں کہ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہم تقدیر اور آخرت میں مکمل یقین رکھیں اور پھر اللہ کے حکم سے آپ کامیاب ہوں گے۔ میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ تقدیر اور آخرت پر ہمارے ایمان کو تقویت دے۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



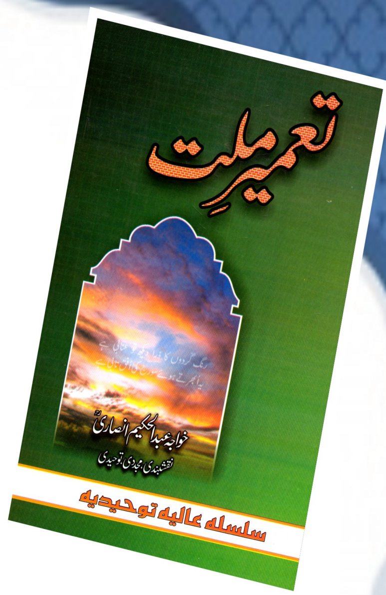
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اورصوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پراثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



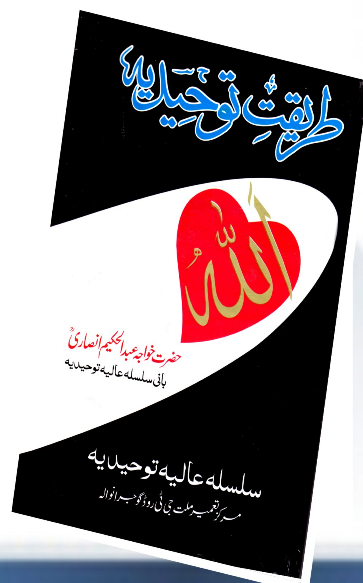
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہٴ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔



Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com